رہبر و رہنما

صلی اللہ علیہ وسلم

نوجوانوں کے لیے سیرتِ طیبہ کا خوبصورت گلدستہ

مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

دارالسلام

www.KitaboSunnat.com

رہبر و رہنما

صلی اللہ علیہ وسلم

نوجوانوں کے لیے سیرتِ طیبہ کا خوبصورت گلدستہ
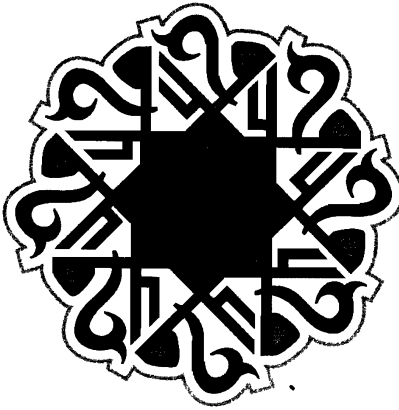
مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

یہ عالمگیر سچائی ہے کہ نوجوان کسی بھی دور میں نہ خیر مجسم رہے ہیں اور نہ شر مجسم ہی رہے ہیں بلکہ ان کا ماحول اور معاشرہ انھیں اچھا یا بُرا بناتا ہے۔

نوجوان، کسی ملک وقوم کا وہ سرمایہ ہوتے ہیں جو وقت اور حالات کا رُخ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دنیا کی ابتدا سے لے کر آج تک دنیا میں جتنے بھی نرم اور گرم انقلابات رونما ہوئے ہیں، ان کا ہراول دستہ نوجوان ہی رہے ہیں۔

آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ نبوت کا اعلان کیا تو اس پر لبیک کہنے والوں کی اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ بڑی عمر کے سردارانِ مکہ جو آپ کے قریبی عزیز اور رشتہ دار بھی تھے، انھوں نے اپنی بزرگی اور بڑائی کے ناتے سے رحمتِ دو جہاں ﷺ کی ہر ممکن حد تک مخالفت کی۔ اس کے برعکس نوجوان آپ کے دست و بازو بنے۔

عام لوگوں کے مقابلے میں نوجوان آئیڈیل ازم کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دل و دماغ میں کسی نہ کسی حوالے سے آئیڈیل تراشتے ہیں۔ آئیڈیل کی تلاش اُن کو خوب سے خوب تر کے لیے جہدِ مسلسل پر آمادہ و تیار کرتی ہے۔ مادہ

پرستانہ دور میں نوجوان اپنے آئیڈیل مادی دنیا کے حوالے سے تلاش کرتے ہیں لیکن ایک مسلمان نوجوان، اسلامی معاشرے میں اپنا آئیڈیل جس ہستی اور شخصیت کو بناتا ہے، وہ تمام تر خامیوں سے مبرا اور کامل ترین ہستی ہے۔

ایسی عظیم ہستی جو اخلاق و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ جس کی زندگی کا ایک ایک پہلو لائقِ اطاعت ہے۔ جس کی زبان مبارک سے اپنے دشمنوں کے لیے خیر خواہی اور بھلائی کے کلمات نکلتے ہیں۔ ایسی عظیم ہستی دنیا کے تمام انسانوں کے لیے بالعموم اور نوجوانوں کے لیے بالخصوص رہبر و رہنما کا درجہ رکھتی ہے۔

وہ عظیم ہستی اور دنیا بھر کے نوجوانوں کے لیے رہبر و رہنما کا درجہ رکھنے والی شخصیت آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے۔ آج کے مسلمان نوجوانوں کو اُن کے آئیڈیل کی زندگی کے خدوخال سے روشناس کروانے کے لیے دارالسلام نے ظاہری و معنوی حُسن کا مرقع ''رہبر و رہنما'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ کرے کہ ''رہبر و رہنما'' کا مطالعہ نوجوانوں کی زندگیوں کا رُخ قبلہ رُو کر دے اور وہ دنیا بھر کے لیے امن و سلامتی کے پیامبر بن جائیں۔ آمین!

''رہبر و رہنما'' ذخیرہ سیرت میں ایک منفرد کتاب ہے۔ اُردو زبان میں اس اسلوب اور پیرائے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں نبیٔ کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا اسلوب بہت سادہ، رواں اور شگفتہ ہے جس سے قاری کی دلچسپی مطالعے میں شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ کتاب دیدہ زیب اور جاذب نظر ہے۔ اس کا مطالعہ سیرت کا ایک ذوق پیدا

کرتا ہے جو بالآخر حسنِ عمل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس کتاب پر نظر ثانی اور تصحیح و تکمیل کی ذمہ داری محترم ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر اور جناب طارق جاوید عارفی نے ادا کی جب کہ حافظ عبداللہ ناصر اور غلام مصطفیٰ احمدانی صاحب نے پروف خوانی کے مراحل بخوبی طے کیے ہیں۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کی ذمہ داریاں جناب زاہد سلیم چودھری، حافظ کاشف ظہیر اور رمضان شاد نے خوش اسلوبی سے نبھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔الریاض، لاہور

جون 2007ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِىْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یقیناً تمھارے لیے
رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔

(الأحزاب 33: 21)

سرزمین عرب

عرب کے لفظی معنی بے آب وگیاہ سرزمین کے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ اس کو صحرائی زمین کہہ سکتے ہیں۔ عام طور پر لفظ ''عرب'' جزیرہ نمائے عرب میں بسنے والی قوم اور اس علاقے کے لیے بولا گیا ہے۔

عرب کے مغرب میں بحیرۂ احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے، مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے، جنوب میں بحیرۂ عرب ہے جو حقیقت میں بحرِ ہند کا پھیلاؤ ہے، شمال میں ملکِ شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ کل رقبہ تقریباً دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل ہے۔

ولادت باسعادت

اسی سرزمین عرب کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد ﷺ 22 اپریل 571 عیسوی، 9 ربیع الاول عام الفیل کو پیر کے دن اس دنیا میں تشریف لائے۔ وہ موسمِ بہار کی صبح تھی۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مہینا ربیع الاول کا تھا اور دن پیر کا۔ وقت صبح صادق کے بعد کا اور سورج طلوع ہونے سے پہلے کا تھا۔ پیر کا دن آپ کی مبارک زندگی

میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے۔ پیر ہی کے روز آپ کو نبوت ملی۔ پیر ہی کے روز آپ مکے سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے اور پیر ہی کے روز آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ سن ہجری کے اعتبار سے آپ کی پیدائش 53 قبل ہجری کو ہوئی۔

آپ کی پیدائش کے فوراً بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو گود میں اٹھایا اور خانہ کعبہ لے گئے۔ انھوں نے آپ کے لیے دعا کی اور اپنے پوتے کا نام محمد رکھا۔ آپ کی پیدائش کی خوشی میں انھوں نے ساتویں روز اپنے قبیلے کی دعوت کی۔ قبیلے کے لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام محمد رکھا ہے تو حیران ہوئے اور ان سے پوچھا:

''آپ نے اپنے پوتے کا نام دوسرے ناموں جیسا کیوں نہیں رکھا؟''

یہ انھوں نے اس لیے پوچھا تھا کہ اس سے پہلے محمد نام کبھی سننے میں نہیں آیا تھا، کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ عبدالمطلب نے انھیں جواب دیا:

''میری خواہش ہے، میرے پوتے پر اِس نام کا اثر پڑے، اس کی تعریف کی جائے۔''

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام احمد رکھا۔ انجیل میں آپ کے دو نام آئے ہیں: ''فارقلیط'' اور ''منحمنا'' جب کہ قرآن مجید کی سورۂ انبیاء آیت 107 میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''رحمۃ للعالمین'' فرمایا، یعنی تمام جہانوں کے لیے رحمت۔

نبیٔ کریم ﷺ کی والدہ کا نام ''آمنہ'' تھا۔ حضرت آمنہ کے والد کا نام وہب

بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھا۔ یہ کلاب آپ کے والد کی طرف سے بھی آپ کے نسب میں شامل ہیں۔

نبیٔ کریم ﷺ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے زمزم کا چشمہ جاری کیا تو پانی کو دیکھ کر قبیلۂ جرہم اور قبیلۂ ایاد کے خانہ بدوش وہاں چلے آئے۔ انھوں نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام سے اجازت لی اور وہیں آباد ہو گئے۔ اس طرح سیدنا اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کے متولی بنے۔ کچھ مدت گزرنے پر قبیلۂ جرہم اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کعبے کی تولیت پر جھگڑا ہوا، تب کعبے کی تولیت ان دونوں فریقوں میں تقسیم ہو گئی۔ پھر بنوخزاعہ نے طاقت کے بل بوتے پر مکہ پر قبضہ کر لیا، اس طرح کعبے کی تولیت ایک مدت تک بنوخزاعہ کے پاس رہی۔ تولیت چھن جانے پر بھی بنو اسماعیل مکہ ہی میں رہے اور ان کے ایک فرد کلاب نے شمالی عرب میں مقیم قبیلہ قضاعہ کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس طرح کلاب کے ہاں قصی پیدا ہوئے۔ قصی بڑے ہوئے تو اپنے قبیلے میں چلے گئے۔ ایسے میں ان کے سُسر انتقال کر گئے۔ اب انھوں نے اپنے سسرالی رشتے داروں کی مدد سے بنوخزاعہ کو شہر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ بنوخزاعہ شہر سے نکل کر دیہات میں جا آباد ہوئے لیکن جانے سے پہلے انھوں نے اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ زمزم کے کنویں کو پاٹ دیا۔ اس طرح کنواں غائب ہو گیا۔ کنویں کو پاٹنے سے پہلے انھوں نے اس میں قیمتی چڑھاووں کو بھی دفن کر دیا۔ اس کے بعد قصی کو اقتدار نصیب ہوا۔ اس کی اولاد پھیل گئی۔ قصی کو قوم کا بڑا سردار چن لیا گیا۔

اب چونکہ قصی بہت صاحبِ حیثیت بن چکا تھا، اس لیے اس نے باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر لی۔ حکومت کی ایک پارلیمنٹ بنائی۔ ٹیکس کے ادارے قائم کیے۔ اپنی موت سے پہلے اس نے اپنی حکومت اپنے بچوں میں تقسیم کردی۔ کسی کو کعبے کی رکھوالی سونپی تو کسی کو فوج کی قیادت دے دی۔ کسی کے ذمّے ٹیکس کی آمدنی اور خرچ لگا دیا۔ بعد میں آنے والوں نے ان اختیارات کو اور زیادہ حصوں میں بانٹ لیا۔ اسلام کا آغاز ہوا تو دس سردار موجود تھے۔ قصی کے چار بیٹے تھے۔ ان میں مشہور عبد مناف ہوئے۔ انھیں خوب عزت ملی، شہرت ملی، عبد مناف کے بھی چار بیٹے تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ ہاشم مشہور ہوئے۔

یہی ہاشم نبیٔ کریم ﷺ کے پردادا تھے۔ بہت دولت مند تھے۔ ان میں مروّت بہت تھی، تھے بھی بہت سخی۔ دوسروں پر احسان کرنا تو گویا ان کی گھٹّی میں پڑا تھا۔

ان کے دور میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا۔ یہ فلسطین گئے اور وہاں سے آٹے کی بے شمار بوریاں اونٹوں پر لاد کر لائے۔ بہت سے اونٹ ذبح کر کے ان کا شوربا تیار کرایا اور آٹے سے روٹیاں پکوائیں اور پھر ان روٹیوں کو شوربے میں بھگو دیا، یہ کھانا وہ شہر کے لوگوں کو برابر کھلاتے رہے۔ عرب میں اس قسم کے کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔ کھانا کھلانے کا سلسلہ ایک مدت تک جاری رہا، اسی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑا۔ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ وہ چونکہ روٹیوں کو توڑ کر شوربے میں بھگو کر لوگوں کو کھلاتے تھے، اس لیے ان کو ہاشم کہا جانے لگا۔ ہاشم حاجیوں کی خدمت میں خاص طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اس قدر سخاوت اور فیاضی کی بنیاد پر ان کا نام پورے عرب میں مشہور ہو گیا۔ آس پاس اور دور

دراز کے ملکوں میں بھی ان کا آنا جانا تھا۔ تاجر تھے۔ تجارت کا سامان مکہ مکرمہ سے دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے اور دوسرے ملکوں کا مال مکہ مکرمہ میں لاتے تھے، اس طرح ان کی رسائی دوسرے ملکوں کے حکمرانوں تک تھی۔ انھوں نے ایک قانون یہ بنایا کہ قریش سال میں صرف دو بار تجارتی قافلے لے جائیں۔ موسمِ گرما میں شام کی طرف اور موسمِ سرما میں یمن کی طرف، چنانچہ اس دستور کے مطابق ہر موسم میں قافلہ روانہ ہوتا تھا۔ سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے یہی انعام یاد دلایا ہے۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی بھی ہاشم کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب یہ سامانِ تجارت لے کر وہاں جاتے تو یہ ان کی خوب خاطر مدارات کرتا، ان کی خدمت میں تحفے بھی پیش کرتا تھا۔ اسی طرح روم کا بادشاہ قیصر بھی ان کے ساتھ بہت احترام سے پیش آتا تھا۔ ان تعلقات کی بنا پر ہاشم نے نجاشی اور قیصرِ روم سے تجارتی قافلوں سے ہر ممکن مدد اور تعاون کا اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اس بات سے ان کی فہم و فراست کا پتا چلتا ہے۔ ان اجازت ناموں کی وجہ سے قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے محفوظ ہو گئے تھے اور مکہ مکرمہ نے بین الاقوامی تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خانہ کعبہ کی زیارت اور سالانہ حج عام ہو گیا تھا۔ عربی زبان بھی چاروں طرف بولی جانے لگی تھی، چنانچہ اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے تھے۔ سالانہ میلوں میں قریش کی تجارت بہت بڑھ گئی بلکہ مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تجارتی مرکز کے ساتھ ساتھ مکہ سیاسی مرکز بھی بن گیا۔

ولادت باسعادت

497 عیسوی کے چند ماہ بعد ہاشم کی بیوی سلمیٰ بنتِ عمرو کے ہاں مدینہ منورہ میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کے سر کے کچھ بال سفید تھے، اس لیے اس کا نام شیبہ رکھا گیا، یعنی بوڑھا۔ یہی بعد میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔ عبدالمطلب نے اپنے چچا مطلب کی وفات کے بعد ان کی ذمے داریاں احسن طریقے سے سنبھال لیں۔ یہ ذمے داریاں رِفادہ (حاجیوں کو کھانا کھلانا) اور سِقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یمن اور حبشہ کے شاہی درباروں میں اپنی قوم کو متعارف بھی کرایا۔ پھر ایک رات انھوں نے خواب دیکھا۔ خواب میں انھیں اشارہ ملا کہ فلاں جگہ کو کھود کر زمزم کا کنواں برآمد کریں۔

انھوں نے اس جگہ کو کُھدوایا، وہاں سے انھیں دفن شدہ خزانہ ملا۔ یہ کعبہ کے پرانے چڑھاوے تھے۔ کنویں کو پاٹتے وقت انھیں بھی وہاں دفن کر دیا گیا تھا۔

عبدالمطلب اس طرح زمزم کی ملکیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، اگرچہ انھیں اس سلسلے میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پریشانی کے زمانے میں انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ نے انھیں دس بیٹے دیے اور وہ بالغ ہو گئے تو ان میں سے ایک بیٹے کو کعبے میں جا کر قربان کریں گے۔

جب ان کے بیٹے بالغ ہو گئے تو انھیں اپنی منت یاد آئی۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا تاکہ جس بیٹے کو قربان کیا جانا ہے، اس کا نام نکل آئے۔

قرعے میں نبیِ کریم ﷺ کے والد عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب کے رشتے داروں اور دوستوں کو جب پتا چلا کہ وہ بیٹے کو قربان کرنے چلے ہیں تو وہ آڑے آ گئے۔

انھوں نے تجویز پیش کی کہ کسی کاہنہ سے اس مسئلے کا حل معلوم کیا جائے۔ یہ لوگ قطبہ نامی کاہنہ سے ملے۔ اسے ساری بات تفصیل سے بتائی۔ ساری تفصیل سن کر اس نے مشورہ دیا کہ رواج کے مطابق خون بہا دس اونٹوں اور بیٹے کے درمیان قرعہ ڈالو۔ کاہنہ نے اس کی ترکیب یہ بتائی کہ اگر عبد اللہ کا نام نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا کر قرعہ ڈالو اور خون بہا کی مقدار میں اضافہ کرتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ قرعہ خون بہا پر نکل آئے۔

اس طرح یہ قرعہ اندازی ہوئی۔ ایک طرف دس اونٹ تھے، دوسری طرف عبد اللہ۔ نام عبد اللہ کا نکلا۔ اب اونٹوں کی تعداد بیس کردی گئی۔ اس طرح دس دس کر کے بڑھاتے چلے گئے، یہاں تک کہ جب اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی، تب اونٹوں کے نام قرعہ نکلا۔ عبد المطلب نے احتیاط یہ کی کہ تین مرتبہ اس عمل کو دہرایا۔ ہر بار قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب انھوں نے جان لیا کہ یہی اللہ کو منظور ہے، چنانچہ اس منت کے سلسلے میں سو اونٹ قربان کیے گئے۔

چاہِ زمزم کی ملکیت حاصل کرنا عبد المطلب کی زندگی کا اہم واقعہ تھا، ان کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ، واقعۂ فیل ہے۔ شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن کا سردار ابرہہ نامی شخص تھا۔ اس نے دیکھا کہ عرب کے لوگ مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بھی یمن کے شہر صنعاء میں ایک عالی شان گرجا بنوایا۔ گویا یہ گرجا خانہ کعبہ کے مقابلے میں بنایا گیا تھا۔ قبیلہ کنانہ کے ایک شخص کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری، چنانچہ یہ اس گرجے میں گیا اور وہاں گندگی پھیلا کر بھاگ گیا۔ ابرہہ کو یہ سن کر طیش آ گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ کعبے کو گرا کر رہے گا۔

اس مقصد کے لیے وہ ایک لشکرِ جرار لے کر مکہ مکرمہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں جو عرب قبیلہ اس کے مقابلے پر آیا، اس نے اسے تہس نہس کر ڈالا، یہاں تک کہ وہ مکہ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی آمد کا مقصد مکہ کے لوگوں کو معلوم ہو جائے، چنانچہ اس نے مکہ مکرمہ سے باہر پھرنے والے جانوروں کو پکڑ لیا۔ ان جانوروں میں دو سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔

عبدالمطلب کو ابرہہ کے بارے میں پتا چلا تو وہ خانہ کعبہ گئے۔ اس کی دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روئے اور اللہ سے دعا کی کہ اپنے گھر کی حفاظت فرمائے، پھر خود چند سرداروں کو ساتھ لے کر ابرہہ سے ملاقات کے لیے گئے۔

جب ان کی ملاقات ابرہہ سے ہوئی تو انھوں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے دو سو اونٹوں کی بات کی اور اس سے مطالبہ کیا کہ ان کے اونٹ چھوڑ دے۔ ابرہہ ان کی بات سن کر حیران ہوا اور بولا:

''تم اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہو، میں تو خانہ کعبہ کو گرانے کی نیت سے آیا ہوں، خانہ کعبہ کے بارے میں تم نے ایک لفظ نہیں کہا۔''

یہ سن کر عبدالمطلب بولے:

''اونٹ میرے ہیں، اس لیے میں ان کی بات کرنے چلا آیا، کعبے کا مالک اللہ ہے، وہ اپنے گھر کو بچانے کی پوری طاقت رکھتا ہے۔''

ان کی بات سن کر ابرہہ کو تعجب ہوا۔ اس نے ان کے اونٹ چھوڑ دینے کا حکم دیا، چنانچہ عبدالمطلب اپنے اونٹ واپس لے آئے۔

اب ساٹھ، ستر ہزار کا عظیم لشکر مکہ کی طرف بڑھا۔ اس لشکر میں نو ہاتھی بھی

تھے۔ بعض روایات میں ہاتھیوں کی تعداد تیرہ آئی ہے۔ لشکر مکہ کے بالکل قریب پہنچا تو محمود نامی ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے مکہ کے مخالف سمت میں چلایا جاتا تو چلنے لگتا، واپس موڑ کر مکہ کی طرف چلاتے تو بیٹھ جاتا۔ ابرہہ ابھی اسی چکر میں تھا کہ یکا یک بحیرۂ قلزم کی طرف سے پرندوں کا غول آتا نظر آیا۔ ان کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں۔ پرندے ابرہہ کی فوج کے سر پر آ گئے اور انھوں نے فوجیوں کے سروں پر وہ کنکریاں گرانا شروع کیں، جس کے سر پر بھی وہ کنکریاں لگیں وہ وہیں بھسم ہو گیا، ان کنکریوں نے ابرہہ کے لشکر کا وہ بُرا حال کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس میں بالکل کوئی شک نہیں کہ یہ تاریخ کا ایک حیرت انگیز ترین اور عبرت ناک واقعہ ہے۔ خود ابرہہ گرتا پڑتا واپس بھاگا اور بہت مشکل سے صنعاء تک پہنچ سکا لیکن نہایت دردناک حالت میں جہنم رسید ہوا۔

اس واقعے کی یاد میں اس سال کا نام ''عام الفیل'' مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اس سال کو تقویمی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ایک مدت تک یہی تقویمی سال شمار ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی سورۃ الفیل میں اس واقعے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اَکارت نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ۔'' (الفیل 105:1-5)

اس مشہور واقعے کے تقریباً پچاس یا پچپن دن بعد کی بات ہے کہ عبدالمطلب

خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، ایسے میں انھیں پوتے کی ولادت کی خوش خبری ملی۔ اس وقت عبد المطلب کی عمر پچھتر سال تھی اور چونکہ ان کے بیٹے عبد اللہ نبی ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے، اس لیے یہ خبر اور بھی زیادہ خوشی کی تھی۔ یہ وہی عبد اللہ تھے جن کے بدلے میں سو اونٹ قربان کیے گئے تھے، پھر بیٹے کی اچانک موت نے انھیں شدید صدمہ پہنچایا تھا، اس طرح پوتے کی ولادت کی خبر سے وہ صدمہ بھی کم ہو گیا۔

عبد اللہ کی والدہ، یعنی نبی کریم ﷺ کی دادی کا نام فاطمہ بنتِ عمرو تھا۔ سیدہ آمنہ سے نکاح کے بعد عبد اللہ دستور کے مطابق تین دن اپنے سسرال میں ٹھہرے۔ اس کے بعد تجارت کی غرض سے ملکِ شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے واپس لوٹے تو مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ وہاں انھیں کھجوروں کا سودا کرنا تھا، اس لیے کہ ان کے والد کا حکم یہی تھا۔ مدینہ منورہ ہی میں وہ بیمار ہوئے۔ آپ کی بیماری کی خبر مکہ پہنچی تو عبد المطلب نے فوراً بڑے بیٹے حارث کو ان کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ یہ مدینہ پہنچے تو پتا چلا کہ عبد اللہ ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے ہیں۔

آپ کے والدِ گرامی عبد اللہ نے انتقال کے وقت پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک باندی اُمّ ایمن چھوڑیں۔ اُمِ ایمن کا نام برکت تھا۔ عبد اللہ کا انتقال پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے چند ماہ پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔

عرب میں دستور یہ تھا کہ نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے شرفا دیہاتوں

میں بھیج دیتے تھے۔ اس طرح بچے دیہات کی صاف ستھری آب و ہوا میں پرورش پاتے تھے۔ عرب کی خصوصیات اس ماحول میں وہ بہتر طور پر اپناتے تھے۔ زبان کی فصاحت اور اس طرح کی دوسری خصوصیات بھی بچوں میں پیدا ہو جاتی تھیں۔ اب چونکہ یہ دستور تھا، اس لیے دیہات سے سال میں دو مرتبہ دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کی تلاش میں آتی تھیں۔ آپ کی پیدائش کو ابھی آٹھ دن گزرے تھے کہ دیہات سے عورتیں آ گئیں، ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔

اب ہوا یہ کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی یہ عورتیں کھاتے پیتے گھرانوں کی طرف متوجہ ہو گئیں کیونکہ ایسے گھروں میں انھیں کافی کچھ ملتا تھا۔ آپ یتیم تھے، اس بنیاد پر انعام و اکرام بہت کم ملنے کی اُمید تھی، لہٰذا عورتوں نے توجہ نہ دی۔ دوسری طرف حلیمہ سعدیہ خالی ہاتھ رہ گئیں۔ انھیں کوئی بچہ نہ ملا، تمام بچے دوسری عورتوں کو مل گئے تھے، آخر واپسی کا وقت ہو گیا۔ حلیمہ سعدیہ اس صورتِ حال سے پریشان ہوئیں۔ انھوں نے جا کر اپنے شوہر سے کہا:

''اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند نہیں کہ میری تمام سہیلیاں تو بچے لے کر جائیں اور اکیلی میں کوئی بچہ لیے بغیر واپس چلی جاؤں، ایک بچہ ہے لیکن یتیم ہے، میں اسے لے لیتی ہوں۔''

ان کی بات سن کر شوہر نے کہا کہ کوئی حرج نہیں، ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت عطا کر دے۔ چنانچہ حلیمہ سعدیہ گئیں اور بچے کو لے آئیں۔ پہلی بار جب ان کے گھر گئی تھیں اور بچے کو دیکھا تھا تو ان کا دل اسی وقت سے ان کی طرف کھنچنے لگا تھا۔

ولادت باسعادت...

آخر قافلہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ حلیمہ سعدیہ بھی نبیٔ کریم ﷺ کو لے کر سوار ہوئیں۔ ان کی سواری بہت دبلی پتلی، مریل اور سست رفتار تھی لیکن جب حلیمہ سعدیہ آپ کو گود میں لیے اس پر سوار ہوئیں تو اچانک وہ برق رفتار ہوگئی۔ دوسری عورتیں یہ بات محسوس کر کے حیران رہ گئیں۔ یہ تبدیلی ایک معجزے سے کم نہیں تھی۔

حلیمہ سعدیہ کے والد کا نام عبداللہ بن حارث تھا۔ ابوذویب ان کی کنیت تھی۔ وہ آپ کے رضاعی نانا ہوئے جب کہ حلیمہ سعدیہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ عبداللہ بن حارث اور حارث بن عبدالعزیٰ کا تعلق قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھا۔ اس طرح حلیمہ سعدیہ کے بچے آپ کے رضاعی بہن بھائی ہوئے۔ ان کے بچوں کے نام یہ ہیں: عبداللہ، انیسہ، جذامہ۔ یہ جذامہ، شُیَماء کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ شُیَماء نبیٔ کریم ﷺ سے قدرے بڑی تھیں، لہٰذا آپ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ آپ جب تک حلیمہ سعدیہ کے گھر میں رہے، ان کا گھر برکتوں سے مالا مال رہا۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

''جب میں نبیٔ کریم ﷺ کو لائی تھی تو اس وقت قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ میرے پاس ایک گدھی تھی جو حد درجے کمزور اور دبلی پتلی تھی، پورے قافلے میں سب سے سست تھی، بہت آہستہ چلتی تھی۔ اسی طرح میرے پاس ایک اونٹنی بھی تھی مگر وہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھی۔ خود میرا اپنا بچہ بھوک سے بلکتا تھا، وہ ساری رات نہ خود سوتا، نہ ماں باپ کو سونے دیتا مگر جونہی نبیٔ کریم ﷺ میرے گھر میں آئے، میں نے انھیں سینے سے لگایا تو میرا سینہ دودھ سے بھر گیا۔ آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا، پھر میں نے اپنے بچے کو بھی خوب دودھ پلایا، اس

کے بعد دونوں آرام کی نیند سو گئے۔ گویا یہ پہلا موقع تھا جب میرا بچہ اس طرح کی پرسکون نیند سویا۔ میرے شوہر اونٹنی کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں، تھنوں سے دودھ گویا اُبلا پڑ رہا تھا، اس نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا، ہم دونوں نے بھی وہ رات بہت پرسکون گزاری۔"

حلیمہ سعدیہ کا وطن دیارِ بنو سعد تھا۔ یہ علاقہ باقی تمام علاقوں کے مقابلے میں زیادہ قحط زدہ تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ کے تشریف لانے کے بعد حالات یکسر بدل گئے۔ پہلے جب ان کی بکریاں باہر نکلتی تھیں تو ان کے تھن دودھ سے خالی ہوتے تھے، جب آپ تشریف لے آئے تو ان کے تھن دودھ سے بھرے رہنے لگے۔ دونوں میاں بیوی خوب سیر ہو کر دودھ پیتے۔ دوسری طرف دیہات کے لوگوں میں تو دودھ کا قطرہ بھی میسر نہیں تھا اور اب ان کے ہاں دودھ کی کمی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کا گھرانا مسلسل خیر و برکت والا گھرانا بن گیا۔

حلیمہ سعدیہ نبیٔ کریم ﷺ کو ہر چھ ماہ بعد مکہ معظّمہ لایا کرتی تھیں۔ انھیں آپ کی والدہ اور خاندان کے دوسرے لوگوں سے ملواتیں، پھر واپس اپنے دیہات بنو سعد لے آتیں۔ جب دودھ پلانے کی مدت پوری ہو گئی اور آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا تو حلیمہ سعدیہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے آئیں۔ اس وقت تک آپ کی وجہ سے وہ خیر و برکت کے عجیب رنگ دیکھ چکی تھیں، لہٰذا چاہتی تھیں کہ آپ ابھی کچھ مدت اور ان کے پاس رہیں، چنانچہ انھوں نے آپ کی والدہ سے کہا:

"آپ بچے کو ابھی میرے پاس ہی رہنے دیں تاکہ یہ ذرا مضبوط ہو جائے۔ میں مکہ کی وبا سے ڈرتی ہوں۔"

نبی ﷺ کی والدہ اس پر رضامند ہو گئیں، چنانچہ حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی آپ کو اپنے گھر لے آئیں۔ اس طرح آپ وہاں مزید دو سال رہے۔ اس دوران میں سینہ مبارک چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کو لٹایا، پھر آپ کا دل مبارک نکالا، اس میں سے ایک لوتھڑا سا نکال کر باہر پھینک دیا اور کہا: ''یہ آپ سے شیطان کا حصہ ہے۔''

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ کے دل کو سونے کے ایک تھال میں رکھا۔ دل مبارک کو آبِ زمزم سے دھویا اور پھر اس کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

آپ کے ساتھ کھیلنے والے بچوں نے یہ منظر دیکھا تو دہشت زدہ ہو گئے۔ دوڑ کر حلیمہ سعدیہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

گھر کے افراد فوراً پہنچے۔ انھوں نے دیکھا، آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آپ کے سینۂ مبارک پر سلائی کے نشانات دیکھا کرتا تھا۔

سینۂ مبارک چاک کیے جانے کے واقعے نے حلیمہ سعدیہ کو خوف زدہ کر دیا۔ وہ فکرمند ہو گئیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا، اب بچے کو اس کی والدہ کے حوالے کر دینا مناسب ہو گا۔ اس طرح آپ کو آپ کے گھر پہنچا دیا گیا۔ آپ نے اپنی والدہ کے زیر سایہ اور خاندان والوں کے ساتھ تقریباً دو برس گزارے، اس کے بعد والدہ، دادا اور لونڈی اُمِّ ایمن کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر کیا کیونکہ مدینہ منورہ میں آپ کے والد کی قبر تھی اور دادا کا ننھیال بھی تھا۔

مدینہ منورہ میں آپ نے تقریباً ایک ماہ گزارا، پھر واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ کی والدہ محترمہ بیمار ہوگئیں اور ''ابواء'' کے مقام پر فوت ہوگئیں۔ اسی جگہ انھیں دفن کردیا گیا۔

والدہ کی وفات کے بعد کا سفر پھر شروع ہوا، آخر عبدالمطلب آپ کو لیے مکہ پہنچ گئے۔ آپ کی والدہ کی وفات کے سبب دادا عبدالمطلب آپ کا اور زیادہ خیال رکھنے لگے۔ اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ آپ کو چاہنے لگے، حد سے بڑھ کر آپ کا احترام کرتے۔ ان کا خاص فرش جس پر کوئی دوسرا نہیں بیٹھ سکتا تھا، اس پر آپ کو خود بٹھاتے تھے، آپ کی کمر مبارک پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے، آپ کو چلتے پھرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے، آپ کی پیاری پیاری حرکات وسکنات کو خوب دلچسپی سے دیکھتے، انھیں یقین تھا کہ آئندہ ان کے پوتے کی شان نرالی ہوگی، یعنی آپ کے اُٹھنے بیٹھنے سے انھوں نے یہ اندازہ لگالیا تھا۔

ابھی آپ کی عمر آٹھ برس دو مہینے اور دس دن ہوئی تھی کہ آپ کے پیارے دادا عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے۔

اب آپ کی کفالت کی ذمے داری آپ کے چچا ابوطالب نے سنبھالی۔ یہ آپ کے والد کے سگے بھائی تھے، انھوں نے بھی آپ سے خاص شفقت کا برتاؤ کیا۔ ابوطالب مال دار نہیں تھے لیکن وہ آپ کی کفالت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تھوڑے مال میں اس قدر برکت عطا کردی کہ تھوڑا سا کھانا پورے گھرانے کو کافی ہو جاتا تھا۔ خود آپ میں بھی صبر اور قناعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، جو ملتا اسی پر قناعت فرماتے، گویا بچپن ہی سے صابر اور شاکر تھے۔

شام کا پہلا سفر

ابوطالب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ جانے لگے تو انھیں خیال آیا، اتنا عرصہ بھتیجے سے کس طرح جدا رہوں گا، چنانچہ آپ کو بھی ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح آپ پہلی مرتبہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال دو مہینے اور دس دن تھی۔ تجارتی قافلے نے ملکِ شام میں داخل ہونے کے بعد شہر بُصریٰ کے قریب قیام کیا۔ وہاں قریب ہی ایک گرجا تھا۔ اس کے پادری کا نام بحیرا تھا۔ اس نے قافلے کو قیام پذیر دیکھا تو گرجے سے نکل کر اس طرف آیا۔ پہلے تو اس نے پورے قافلے پر نظریں دوڑائیں، پھر قافلے کے درمیان سے گزرتا ہوا نبیٔ کریم ﷺ تک آ پہنچا۔ پھر اس نے آپ کو بازو سے پکڑ لیا اور بولا:

''یہ دنیا کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ انھیں پوری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔''

لوگ راہب کی باتیں سن کر بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے پوچھا:

''آپ یہ باتیں کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

اس پر اس نے کہا:

''تم لوگوں کا قافلہ جب گھاٹی کے اس طرف آیا تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ تھا جو سجدے کے لیے جھک نہ گیا ہو، اور یہ دونوں چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں۔ میں انھیں مہرِ نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی

کے پاس سیب کی طرح ہے۔ یہ نشانیاں ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں۔“

اس کے بعد اس نے قافلے کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا:

”انھیں یہیں سے واپس بھیج دیں کیونکہ یہودیوں اور رومیوں سے ان کی زندگی کو خطرہ ہے۔“

ابو طالب نے جب یہ سنا تو آپ کو واپس بھجوا دیا۔

فجار کی لڑائی

نبیؐ کریم ﷺ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو ''عکاظ'' کے بازار میں ایک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی ذوالقعدہ کے مہینے میں پیش آئی۔ اس لڑائی میں ایک طرف تو قریش اور ان کے قبیلے تھے۔ دوسری طرف قیس عَیلان کے قبیلے تھے۔ دونوں میں خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی، دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے، آخر انھوں نے صلح کر لی۔ صلح کے معاہدے میں طے پایا کہ دونوں طرف کے مارے جانے والے لوگوں کو گن لیا جائے۔ جس فریق کے زیادہ افراد مارے گئے ہوں، وہ دوسرے فریق سے ان کا خون بہا لے لے۔ اس طرح آپس کی یہ جنگ ختم ہوگئی، اس معاہدے کی وجہ سے دشمنی ختم ہوگئی۔

اس جنگ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں آپ کے چچا بھی شریک تھے۔ اور ان کی وجہ سے آپ بھی وہاں موجود تھے لیکن براہِ راست آپ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا، البتہ اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے رہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس جنگ کو جنگِ فجار کیوں کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ بنی کہ یہ جنگ حرمت والے مہینے میں لڑی گئی، اس طرح اس مہینے کی حرمت پامال ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ فجار کے نام سے ایسے واقعات چار بار پیش آئے، یہ آخری واقعہ تھا۔ پہلے تین واقعات میں معمولی جھگڑے ہوئے لیکن چوتھی مرتبہ باقاعدہ جنگ ہوئی۔

حلف الفضول

فجار کی لڑائی کے بعد ذوالقعدہ ہی کے مہینے میں پانچ قبیلوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کو حلف الفضول کہا گیا۔ اس میں جن پانچ قبیلوں نے حصہ لیا، ان کے نام: بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم ہیں۔

اس معاہدے کا پسِ منظر یہ ہے کہ یمن کا ایک تاجر تجارت کا سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ مکہ کے ایک با اثر آدمی عاص بن وائل نے اس کا مالِ تجارت خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اب تو وہ بیچارہ بہت پریشان ہوا۔ وہ باری باری بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی کے پاس گیا، ان سے فریاد کی، مدد کی درخواست کی لیکن عاص بن وائل تو ان کا اپنا آدمی تھا، لہٰذا انھوں نے اس کے مقابلے میں اس تاجر کی کوئی بات نہ سنی۔ وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا، اسے اور تو کچھ نہ سوجھا، وہ ابو قبیس پہاڑ پر چڑھ گیا اور اس نے بلند آواز میں درد بھرے لہجے میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو تفصیل سے بیان کیا اور آواز لگائی کہ کوئی ہے جو اس ظلم کے خلاف اس کی مدد کرے۔

اس سلسلے میں اس نے چند درد بھرے اشعار بھی پڑھے۔ ان اشعار سے اس کا درد ٹپک رہا تھا۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے کوشش شروع کی۔ اس کوشش کے نتیجے میں ان پانچ قبیلوں کے سردار، بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ مکہ میں جس شخص پر بھی ظلم کیا جائے گا، یہ سب لوگ اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، چاہے وہ شخص مکے کا رہنے والا ہو یا کسی اور ملک کا۔

اس طرح ان لوگوں نے سب سے پہلے عاص بن وائل سے اس تاجر کا حق وصول کیا اور اس کے حوالے کیا۔

اس عہد و پیمان میں آپ کے چچاؤں نے بھی شرکت کی۔ آپ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ موجود تھے۔ نبوت ملنے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے:

''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک معاہدے میں شریک ہوا تھا۔ وہ معاہدہ مجھے بہت پسند ہے، اس معاہدے کے مقابلے میں، میں سرخ اونٹوں کو بھی پسند نہیں کروں گا، اور اگر ایسا کوئی معاہدہ اسلام کے دور میں ہوتا تو میں یقیناً اس کی تائید کرتا۔''

آپ ذرا بڑے ہوئے اور تھوڑے بہت کام کاج کے لائق ہوئے تو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ دیار بنی سعد میں بکریاں چرانے لگے، مکہ معظّمہ تشریف لائے تو وہاں بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چرائیں۔ اس کا معاوضہ چند قیراط کی صورت میں ملتا تھا۔ قیراط ایک دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے، اس زمانے میں اس کی قیمت مشکل سے اسّی یا نوے روپے ہوگی۔

شروع عُمر میں بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔''

جوان ہونے پر آپ نے تجارت بھی کی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ سائب بن ابی سائب کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ آپ بہترین حصے دار تھے، نہ بحث کرتے تھے اور نہ لڑتے جھگڑتے ہی تھے۔ آپس کے معاملات میں

نہایت صاف تھے، کسی کو بھی آپ سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ آپ اپنی سچائی اور امانت داری کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے، چنانچہ لوگوں نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔

اس طرح آپ کی شہرت مکے میں چاروں طرف پھیل گئی۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تک بھی آپ کی شہرت پہنچی۔ انھوں نے آپ کو پیش کش کی کہ ان کا مالِ تجارت شام لے جائیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شرافت اور مال دونوں اعتبار سے بہت نیک نام تھیں۔ اپنا مالِ تجارت دوسروں کے ذریعے سے بھیجا کرتی تھیں اور انھیں اس کام کی اجرت دیا کرتی تھیں۔ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ وہ آپ کو سب سے زیادہ اجرت دیں گی۔

آپ نے ان کی پیش کش منظور فرما لی، چنانچہ سامانِ تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ بھیجا تھا۔ شام پہنچ کر آپ نے نہایت بہترین انداز میں سامانِ تجارت فروخت کیا۔ اس طرح خوب منافع ہوا اور اس سودے میں اس قدر برکت ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد آپ مکہ معظّمہ واپس تشریف لائے۔ سارا حساب کتاب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حساب کتاب دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئیں۔ اس قدر منافع انھیں پہلے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ ادھر ان کے غلام میسرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حرکات وسکنات کو سفر کے دوران میں بغور دیکھا تھا۔ اس نے بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ساری کیفیت بیان کی۔ وہ سن کر اور حیران ہوئیں۔

کہا جاتا ہے کہ سفر کے دوران میں ایک روز میسرہ نے دیکھا کہ آپ پر دھوپ آ گئی تو دو فرشتوں نے اپنے پروں سے آپ پر سایہ کیا۔ یہ واقعہ بھی اس نے بیان کیا۔

یہ تمام حالات سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ کوئی عام انسان نہیں ہیں اور یہ کہ انھیں اپنا گوہرِ مراد مل گیا ہے۔

پیغامِ نکاح

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک سہیلی کے ذریعے سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ کو یہ تجویز پسند آئی۔ آپ نے اپنے چچاؤں سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے بھی اتفاق کیا، چنانچہ آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا۔ اس طرح بات نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوگئی۔

نکاح کے موقع پر بنو ہاشم اور قریش کے سردار جمع ہوئے۔ بیس یا چھ اونٹ حق مہر طے ہوا۔ نکاح کا خطبہ ابو طالب نے پڑھا۔ اس خطبے میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، آپ کے فضائل بیان کیے، ایجاب وقبول کے کلمات کہنے کے بعد مہر کا اعلان کیا۔ اس طرح نکاح کی تقریب اختتام کو پہنچی۔

یہ نکاح شام کے سفر سے واپسی کے دو ماہ اور چند دن بعد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 25 سال تھی جب کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ ایک قول 28 سال کا بھی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد ابو ہالہ تیمی سے ہوئی۔ اس سے ایک بچہ بھی ہوا۔ پھر ابو ہالہ بھی فوت ہوگیا۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ انکار ہی کرتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دے دیا۔ یہ سعادت ان کے مقدر میں لکھی تھی، سبھی کو اس رشتے پر رشک آیا۔

پیغامِ نکاح

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں۔ ان کی زندگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں فرمایا۔ آپ کی تمام اولاد بھی انھی سے ہوئی، البتہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے قاسم، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر امِ کلثوم، پھر فاطمہ اور پھر عبداللہ پیدا ہوئے۔

انوکھا فیصلہ

مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ بہت زبردست سیلاب آیا۔ پانی کے طوفانی ریلے سے خانہ کعبہ کی دیواریں گر گئیں۔ سیلاب سے پہلے خانہ کعبہ میں آگ بھی لگی تھی۔ اس آگ کی وجہ سے دیواریں بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ اب جو سیلاب آیا تو کمزور دیواریں اس کی تیزی کا مقابلہ نہ کر سکیں اور گر گئیں۔

قریش سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب کیا کیا جائے۔ فیصلہ ہوا کہ خانہ کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔ انھوں نے طے کیا کہ اس کی تعمیر میں صرف حلال مال لگائیں گے۔ سود کی کمائی، ناحق کمایا ہوا مال یا طوائف کی کمائی ہرگز نہیں لگائیں گے۔

انھیں خانہ کعبہ گراتے ہوئے خوف محسوس ہوا کہ کہیں اللہ کا غضب ان پر نازل نہ ہو جائے۔ آخر ڈھانے کی ابتدا ولید بن مغیرہ نے کی۔ ابتدا کرتے وقت اس نے کہا:

''ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو کیوں ہلاک کرے گا۔''

جب باقی لوگوں نے دیکھ لیا کہ ولید بن مغیرہ کو کچھ نہیں ہوا تو سب اس کام میں لگ گئے اور خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام والی بنیاد تک گرا دیا۔ اس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوا۔ تعمیر کے لیے انھوں نے ہر قبیلے کا حصہ مقرر کیا۔ قریش کے سردار تک اس کام میں حصہ لے رہے تھے۔ پتھر ڈھو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی یہ کام کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر 35 سال تھی۔

تعمیر کا کام رومی معمار باقوم کر رہا تھا۔ تعمیر کے لیے مال کچھ زیادہ جمع نہ ہو سکا، اس لیے عمارت سیدنا ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر تعمیر نہ ہو سکی۔ شمال کی طرف سے تقریباً چھ ہاتھ چھوڑ کر اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا دی گئی تاکہ یہ بات علم میں رہے کہ یہ بھی خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔ اس حصے کو حجر اور حطیم کہا جاتا ہے۔

جب دیوار حجرِ اسود تک اٹھ گئی تو ایک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک سردار نے آگے بڑھ کر کہا:

''حجرِ اسود میں اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ پر رکھوں گا۔''

اس پر ایک اور سردار بول اٹھا:

''نہیں، حجرِ اسود میں رکھوں گا۔''

اب تو سب اس بات پر آ گئے، یعنی ہر ایک کی خواہش تھی کہ حجرِ اسود وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی جگہ پر رکھے۔ یہ جھگڑا بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ لڑائی بھڑائی کی نوبت آ گئی، پھر خون خرابہ ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ جب اس بات کا کسی طرح فیصلہ نہ ہو سکا تو ایک عمر رسیدہ شخص ابوامیہ نے کہا:

''میری ایک رائے ہے، اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو یہ جھگڑا ٹل سکتا ہے اور وہ رائے یہ ہے کہ کل صبح جو شخص پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو، اس جھگڑے کا فیصلہ اس سے کرا لیا جائے۔ جو فیصلہ وہ سنائے، سب اس کو مان لیں۔''

ابوامیہ چونکہ ان میں عمر رسیدہ تھا، اس لیے سب نے اس کی بات مان لی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ دوسری صبح سب سے پہلے نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ جونہی قریش کی نظر ان پر پڑی، وہ پکار اٹھے:

«هٰذَا الْأَمِينُ رَضِينَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ»

''یہ تو محمد ﷺ ہیں جو امین ہیں۔ہم ان پر راضی ہیں۔''

سب آپ کے گرد جمع ہوئے۔ ساری تفصیل آپ کو سنائی گئی۔ تفصیل سن کر آپ نے ان لوگوں سے فرمایا:

''ایک چادر لاؤ۔''

چادر لائی گئی۔ آپ نے حجرِ اسود اٹھا کر اس چادر کے درمیان میں رکھ دیا، پھر سب سرداروں سے فرمایا:

سب لوگ اس چادر کو کناروں سے پکڑ لیں اور اس کو اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ اب یہ لوگ اس چادر کو پکڑے حجرِ اسود کی جگہ پر پہنچے۔ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ فیصلہ سب کو بہت پسند آیا، سب کے سب خوش ہو گئے اور خون خرابہ ٹل گیا۔

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ عقلِ سلیم کے مالک تھے۔ اور پھر آپ تو بچپن ہی سے ذہین تھے، پاک دامن تھے اور خوب طاقت ور بھی تھے۔ جوانی میں تو یہ خوبیاں اور نکھر کر سامنے آئی تھیں۔ آپ درست سوچ کے مالک تھے، اخلاق کے اعتبار سے سب میں نمایاں تھے، عمدہ عادات میں سب سے بڑھ کر تھے، سچائی، امانت، دیانت، شجاعت، عدل، حکمت، زہد، قناعت، بردباری، پاکیزگی، صبر و شکر، حیا، خیر خواہی اور تواضع کا گویا پیکر تھے۔ دوسروں سے ہمدردی اور احسان کا معاملہ کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ابو طالب کہا کرتے تھے:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''وہ گورے مکھڑے والا جس کی برکت سے ابرِ رحمت برستا ہے۔ وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا نگہبان ہے۔''

آپ صلہ رحمی کرنے میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔ لوگوں کے کام آتے تھے، کمزوروں اور عمر رسیدہ لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے تھے۔ غریب کی اس حد تک مدد فرماتے تھے کہ وہ مال دار ہو جاتا تھا یا کام کاج کرنے کے قابل ہو جاتا۔ مہمان کی میزبانی کرنے میں آپ کا جواب نہیں تھا۔ مصیبت زدوں کی مدد فرماتے تھے۔

تنہائی کی تلاش

سن ہجری سے 12 سال پہلے 610ء میں رسول اللہ ﷺ تنہائی کی تلاش کرنے لگے۔ تنہائی آپ کو پسند آنے لگی تھی۔ یوں بھی آپ عربوں کی گناہوں سے لبریز سوسائٹی سے نفرت کرتے تھے، بیزاری محسوس کرتے تھے۔ ان کی جہالت آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، ان تمام حالات کی وجہ سے آپ بہت غمگین رہنے لگے تھے اور غمگین انسان کو تنہائی اچھی لگتی ہے۔ آپ دیکھتے تھے اور محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد معبود ہونے کا تصور وہ بالکل چھوڑ چکے تھے۔ وہ مذہب جو ان کے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مذہب تھا، اس کو وہ بالکل بھول چکے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے کعبے کی دیواروں کی تعمیر تو بڑے احترام سے کرتے تھے لیکن کعبے کے اندر بت رکھتے تھے، ان کی پوجا کرتے تھے۔ یہی ان کا شرک تھا اور اسی کو منافقت کہتے ہیں۔

آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ شراب نوشی، بت پرستی، جوا اور بے حیائی ان کے معاشرے کا لازمی جز بن چکے تھے۔ وہ یہ تو کہتے تھے کہ اللہ ایک ہے لیکن ساتھ میں بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے، ان کو مشکل کشا سمجھتے تھے۔ بتوں کو بھی اپنا معبود مانتے تھے۔ ہر قبیلے اور ہر خاندان کا اپنا ایک بت تھا۔ اس طرح خانہ کعبہ میں رکھے جانے والے بتوں کی تعداد 360 تک جا پہنچی تھی۔ بت پرستی کے اس حد تک رسیا ہو چکے تھے کہ سفر میں جاتے تو ستّو کے بہت سے بت بنا لیتے تھے، ضرورت پڑتی، یعنی کھانے کو کچھ نہ ملتا تو اپنے معبودوں کو گھول کر پی جاتے

تھے۔ پھر ان کے معاشرے میں عورت حد درجے ذلیل تھی، اس کی کوئی عزت نہیں تھی۔ جس طرح جانوروں کی خرید وفروخت ہوتی تھی، اسی طرح عورت بھی تجارت کی چیز بن چکی تھی۔ ایک مرد بہت سی عورتوں سے شادی کر سکتا تھا، کوئی پابندی نہیں تھی۔ دوسری طرف عورت بھی ایک وقت میں کئی مردوں سے تعلق قائم کر سکتی تھی، یہ سب کام چوری چھپے بھی ہوتے تھے اور علانیہ بھی۔ اخلاقی پستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد جس طرح منقولہ اور موروثی جائیداد اولاد کو ملتی تھی، اسی طرح باپ کی بیویاں بھی بیٹے کو ورثے میں ملتی تھیں، بیٹا اپنی حقیقی ماں کے سوا اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی کر سکتا تھا، اور ایسا کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ اس بے حیائی کے ساتھ عربوں میں ایک خاص قسم کی بے حیائی بھی موجود تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یعنی وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان کا داماد بنے، چنانچہ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، گویا سنگ دلی کی انتہا کر دیتے تھے، پھر اس بے رحمی پر انھیں کوئی افسوس بھی نہیں ہوتا تھا، الٹا فخر کرتے تھے۔

ان میں پڑھے لکھے لوگ بہت ہی کم تھے۔ اس کے باوجود انھیں اپنی شاعری اور فصاحت و بلاغت پر بہت فخر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ زبان دانی کے مقابلے میں عرب کے علاوہ لوگ گویا ''عجم'' یعنی گونگے ہیں۔ وہ طرح طرح کے وہموں میں بھی گرفتار تھے، یعنی پرلے درجے کے توہم پرست تھے۔ معمولی باتوں پر بھی فال نکالتے تھے۔ فال کے تیر پھینکتے تھے۔ کاہنوں سے تقدیر کا حال پوچھتے تھے جیسا کہ آج کے زمانے میں لوگ نجومیوں سے قسمت کا حال پوچھتے

ہیں۔شریف صرف اسے سمجھا جاتا تھا جس کے پاس بہت زیادہ اونٹ، بکریاں اور کھجوروں کے باغ ہوں۔ بہت سی دولت ہو، نوکر چاکر ہوں، غلام ہوں، کنیزیں ہوں۔ نیکی کے تصور سے بھی وہ نابلد تھے۔تقویٰ کو تو جانتے بھی نہیں تھے۔مطلب یہ کہ شرافت اور نیکی ان سے رخصت ہو چکی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس دور کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے۔

ان تمام تر برائیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں جو اچھی باتیں تھیں، وہ بھی ختم ہو چکی تھیں۔ فطری طور پر وہ بہادر تھے۔شجاعت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عہد کی پابندی کرنا ان کا وصف تھا۔مہمان نوازی ان کی پہچان تھی۔ بولنے پر آتے تو فصاحت و بلاغت کا دریا بہا دیتے تھے۔جفاکش بھی بہت تھے۔ ان میں خود اعتمادی کی بھی کمی نہیں تھی۔ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر اپنی حفاظت کرنا پسند کرتے تھے۔ ان میں یہ تمام خوبیاں فطری تھیں لیکن برائیوں کے طوفان نے ان خوبیوں کو گہنا دیا تھا۔اپنی ان خوبیوں کو اگر وہ کام میں لاتے بھی تھے تو غلط رنگ میں۔

یہی وجوہات تھیں کہ آپ اپنی قوم پر کڑھتے تھے۔تنہائی میں زندگی اور کائنات کے بارے میں غور فرمایا کرتے تھے اور سوچتے تھے، زندگی کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ کائنات کیوں تخلیق کی گئی؟ یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے اور یہ تمام چیزیں کیسے معرضِ وجود میں آئیں؟ زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟

یہی وہ دن تھے جب آپ غور وفکر کے ساتھ عبادات کو بھی لازمی سمجھنے لگے تھے۔عبادت آپ کی روح کی ضرورت تھی، چنانچہ رمضان کا پورا مہینا آپ غارِ

تنہائی کی تلاش

حرا میں قیام فرماتے، کوئی اس طرف سے گزرتا تو اسے کھانا کھلاتے، باقی اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔

غارِ حرا مکہ مکرمہ سے مشرق کی طرف، خانہ کعبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جبلِ نور کی چوٹی پر واقع ہے۔ تنہائی کی تلاش آپ کو غارِ حرا تک لے آئی تھی۔ اب چونکہ یہ غار خانہ کعبہ کے بالکل سامنے تھا اور جگہ مکمل طور پر تنہائی کی تھی، اس لیے آپ کو یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔

تاجِ نبوت

نبیٔ کریم ﷺ غارِ حرا میں اللہ کی یاد میں محو تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے آپ کو نبوت کا پیغام ارسال فرمایا۔ وحی کی خوش خبری سنائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز اچھے خوابوں سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے، وہ بالکل صاف طور پر ظاہر ہو جاتا۔ یہی وہ دن تھے جب آپ کو تنہائی مرغوب ہو گئی۔ آپ غارِ حرا میں زیادہ وقت گزارنے لگے، کئی راتوں تک گھر نہ آتے، وہیں عبادت میں محو رہتے، غار میں قیام فرمانے کے سلسلے میں آپ کئی دن کا کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے، پھر جب جانے لگتے تو خوراک ساتھ لے جاتے۔ پھر آپ غارِ حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آ گیا، فرشتے نے آپ کے پاس آ کر کہا:

''پڑھیے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے یہ کہنے پر اس نے مجھے زور سے بھینچا، اس قدر زور سے کہ چوُر کر ڈالا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

''پڑھیے۔''

میں نے پھر کہا:

''میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

اس نے مجھے پھر دبوچا اور خوب زور سے بھینچا، پھر چھوڑ کر بولا:

''پڑھیے۔''

میں نے پھر وہی کہا:

''میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

اس نے تیسری بار پھر مجھے بھینچ کر بولا:

''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' (العلق 96:1-5)

اب آپ نے فرشتے کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ پڑھ دیے، پھر آپ ان آیات کو لیے واپس لوٹے۔ اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ بدن پر کپکپی طاری تھی۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''مجھے چادر اوڑھا دیں، مجھے چادر اوڑھا دیں۔''

انھوں نے فوراً چادر اوڑھا دی۔ اس سے آپ کی کپکپی دور ہو گئی، خوف ختم ہو گیا، تب آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا اور فرمایا:

''مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔''

یہ سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''اللہ کی قسم! ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔

آپ دوسروں کو ان کا حق دلانے میں مدد کرتے ہیں۔ ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ خود اٹھالیتے ہیں، لہٰذا اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔''

اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ مذہب کے اعتبار سے ورقہ بن نوفل نہ صرف عیسائی تھے بلکہ عیسائیت کے عالم بھی تھے۔ عبرانی لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے اور اس زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے لیکن اس وقت تک بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ساتھ میں ان کی بینائی نے بھی جواب دے دیا تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے پاس پہنچ کر کہا:

''اے میرے بھائی! آپ ذرا اپنے بھتیجے کی بات سن لیں۔''

ورقہ بن نوفل آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

''بھتیجے! آپ کیا کہتے ہیں؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا ماجرا کہہ سنایا، سنتے ہی ورقہ بن نوفل بول اٹھا:

''یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوا تھا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکالے گی۔''

ورقہ بن نوفل کے یہ الفاظ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت ہوئی، چنانچہ آپ نے پوچھا:

''میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی؟'' جواب میں ورقہ نے کہا:

''ہاں! میں نے یہی کہا ہے، اس لیے کہ جب بھی کوئی آپ جیسا پیغام لے کر آیا ہے، اس کی قوم نے اس سے دشمنی ہی کی ہے، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا۔''

دعوت کا آغاز

نبوت ملنے کے بعد، پہلے تین برس تک آپ خفیہ طور پر تبلیغ فرماتے رہے، اس مدت کے دوران میں دَارِارقم اسلامی تحریک کا مرکز بنا رہا، یہ گویا اسلام کا سب سے پہلا مرکز تھا۔ یہ دراصل رسولِ کریم ﷺ کے صحابی سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جو صفا پہاڑی میں واقع تھا۔ ان تین برسوں میں نماز گھروں کے اندر اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں پڑھی جاتی رہی۔ اس خاموش تبلیغ کے نتیجے میں چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ ایک ایک کر کے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ سب سے پہلے نبیٔ کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت ان لوگوں کو دی تھی جو آپ سے ذاتی طور پر وابستہ تھے۔ آپ کو اپنے ان قریبی عزیزوں کی طرف سے مایوس نہیں ہونا پڑا۔ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں، گویا عورتوں میں سب سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی طرح غلاموں میں سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

اس طرح خفیہ طور پر اسلام کی دعوت کا یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ اس دوران میں ان حضرات نے اسلام قبول کیا:

سیدنا بلال بن رباح، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عمرو بن عبسہ،

سیدنا خالد بن سعید بن عاص ، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا خباب بن ارت، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح، سیدنا سعید بن زید، سیدنا عبیدہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا ابوسلمہ، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا صہیب رومی اور سیدنا ارقم رضی اللہ عنہم۔

تعداد کے اعتبار سے ان تین سالوں میں تقریباً 40 افراد نے اسلام قبول کیا۔ ان حضرات کو اَلسَّابِقُونَ الْأَوَّلُون کہا گیا۔

تین برس خاموش تبلیغ میں گزر گئے اور بنیاد کے طور پر صورتِ حال بہتر ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا:

''اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرایئے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے۔'' (المدثر 74:1، 3)

یہ حکم آسمانی آواز میں نازل ہوا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کو اس عظیم ترین کام کے لیے اٹھنے کا حکم ہوا۔ نیند اور بستر کی گرمی کو چھوڑ کر دین کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔ گویا کہا جا رہا ہے، جسے اپنے لیے جینا ہے، وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے لیکن آپ تو اس قدر زبردست بوجھ کو اٹھا چکے ہیں تو اب نیند سے آپ کو کیا تعلق ہے، راحت اور آرام سے کیا لینا، گرم بستر کا کیا کام، پرسکون زندگی سے کیا واسطہ، عیش و آرام کے سامانوں سے کیا رشتہ، بس آپ اس عظیم کام کے لیے اٹھ جایئے، اس کے لیے بالکل تیار اور چاق و چوبند ہو جایئے۔

یہ حکم بہت عظیم تھا، بہت بلند تھا، اس حکم کے بعد آپ نے اپنے آرام، چین اور سکون، غرض ہر چیز کو خیر باد کہہ دیا۔ آپ ایسے اٹھے کہ پھر بیس سال سے زائد

عرصے تک سکھ کا سانس نہیں لیا۔ یہ عظیم ترین کام تھا۔ اللہ کی طرف دعوت دینا، آپ نے یہ عظیم بوجھ اٹھا لیا۔ یہ بوجھ اللہ کی بہت بڑی امانت کا بوجھ تھا، اس کو اٹھانا آسان کام نہیں تھا۔ آپ نے بیس سال تک مسلسل جدوجہد کی۔ ایسی جدوجہد جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ اپنی ذمے داری کو پوری طرح نبھانے کے لیے ڈٹ گئے۔ اللہ رب العزت، رسولِ کریم ﷺ کو ہماری طرف سے اور پوری انسانیت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین!

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ اور جو مومنوں میں سے آپ کا اتباع کریں، ان کے لیے اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔''

(الشعراء26:214,215)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں۔'' (الحجر15:94)

ان آیات میں نبیٔ کریم ﷺ کو علانیہ دعوت کا حکم دیا گیا۔ آپ صُبح سویرے کوہِ صفا پر چڑھ گئے۔ آپ نے پہاڑ کی چوٹی سے لوگوں کو ان الفاظ میں پکارا: ''یَا صَبَاحَاہ'' عرب میں یہ صدا ایسا شخص لگاتا تھا جو صبح سویرے، کسی دشمن کو اپنے قبیلے پر حملہ آور ہوتے دیکھ لے۔ آپ کی آواز سنتے ہی لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

''یہ کس کی آواز ہے؟ کون پکار رہا ہے؟''

اس وقت تک کچھ لوگ آپ کو دیکھ چکے تھے، چنانچہ انھوں نے بتایا:

''یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔''

یہ سننا تھا کہ سب کے سب آواز کی سمت میں دوڑ پڑے جو کسی وجہ سے نہ دوڑ سکا، اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو دوڑا دیا۔ سب جمع ہو گئے تو آپ نے ایک ایک کا نام لے کر پکارا:

''اے بنی ہاشم! اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کی دوسری طرف سے تم پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے، اور میں اس وقت ایسی جگہ کھڑا ہوں کہ ادھر بھی دیکھ سکتا ہوں اور ادھر بھی۔''

یہ سنتے ہی سب نے جواب دیا:

''ہم بغیر کسی جھجک کے آپ کی بات مان لیں گے، اس لیے کہ آپ اوپر کھڑے ہیں اور ہم نیچے۔ آپ دوسری طرف دیکھ سکتے ہیں، ہم نہیں دیکھ سکتے، نیز ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ ہم نے آپ کو سچا ہی پایا ہے۔''

اب رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''تو پھر اے لوگو سنو! میں مرنے کے بعد کے عالم کو بھی بالکل اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اس عالم کو دیکھ رہا ہوں۔ اور تم یقین کر لو، موت بڑھ رہی ہے، حملہ آور ہوتی چلی آ رہی ہے، مرنے کے بعد ہر انسان کو اپنے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، وہاں تم سخت سزا کے حق دار بھی ہو سکتے ہو۔''

ان لوگوں میں نبیٔ کریم ﷺ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ اس نے جب آپ کے

الفاظ سنے تو غصے میں آ گیا۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

''ستیاناس جائے تیرا، کیا تو نے ہمیں اس لیے یہاں جمع کیا تھا؟''

ایک روایت میں ہے کہ اس بدبخت نے ایک چھوٹا سا پتھر بھی اٹھا لیا تھا تاکہ آپ پر کھینچ مارے۔

اس طرح مکہ مکرمہ میں اسلام کی تبلیغ شروع ہوگئی۔ لوگ مسلمان ہونے لگے۔ مسلمان ہونے والوں میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی۔ ان کے اسلام لانے پر ان کے بڑوں کو غصہ آنے لگا کیونکہ ان کی مرضی کے بغیر ہی یہ لوگ اسلام لے آئے تھے۔ انھیں اس بات کی ناراضی تھی کہ انھوں نے اپنا پرانا دین کیوں چھوڑ دیا؟ اس غصے اور ناراضی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے رشتے داروں کو ستانے لگے، ان کے ساتھ زیادتیاں کرنے لگے، نومسلموں کو مارا پیٹا جانے لگا۔ زنجیروں سے باندھ کر انھیں قید میں رکھا جانے لگا۔ تپتی ریت پر ننگے بدن لٹانے لگے۔ ایسے کمروں میں قید میں رکھنے لگے جن پر چھتیں نہیں تھیں۔ اس طرح وہ دھوپ جھیلتے رہتے لیکن ان تمام تر سختیوں کے باوجود مسلمان اپنے دین پر ڈٹے رہے، یہ تمام ظلم و ستم بے نتیجہ رہا۔

مسلمان ہونے والوں میں آزاد مردوں اور آزاد عورتوں کے علاوہ غلام بھی شامل تھے اور لونڈیاں بھی تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں ان کے آقاؤں نے تکالیف میں مبتلا کیا تھا۔ ان میں غیر قبیلوں کے عرب بھی تھے۔ یہ مکہ کے لوگوں میں سے کسی ایک کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کے حلیف بن گئے تھے۔ انھی لوگوں میں سے ایک خاندان سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ اس خاندان کو خاص طور پر

ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ سیدنا یاسر رضی اللہ عنہ پر تو اتنا ظلم کیا گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ ان کی بیوی سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے نیزے کے وار سے شہید کر ڈالا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہید خاتون یہی ہیں۔

اس کے جلد ہی بعد اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کی برائی بیان فرما دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس پر وارد ہونے والے ہو۔" (الأنبیاء21:98)

مشرکینِ مکہ کو جب بتوں کی عبادت سے منع کیا گیا، یا بتوں کی عبادت کی برائی بیان کی گئی تو مشرک لوگ مسلمانوں کو اور زیادہ تکالیف دینے پر اتر آئے۔ ابوجہل اور ابولہب نے خاص طور پر بہت زیادتیاں کیں، ایسی زیادتیاں کہ انسانیت کی حدود کو پھلانگ گئے۔

علانیہ تبلیغ شروع کرنے کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے آپ کو نماز کا طریقہ پہلے ہی سکھا دیا تھا، چنانچہ آپ نے اس طریقے سے نماز کی ابتدا کی۔ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز شروع کر دی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل سے قریش کے لوگوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ کوئی نیا دین ہے۔ یہ محسوس کرنے کے ساتھ ہی ابوجہل کا رویہ سخت ہو گیا، وہ آپ کو دھمکیاں دینے پر اتر آیا، اس نے آپ سے کہا:

"آپ حرم میں اس طرح عبادت نہ کریں۔"

پھر ابوجہل نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا محمد (ﷺ) تمھارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟''

لوگوں نے اسے بتایا:

''ہاں! وہ ایسا کرتے ہیں۔''

تب اس نے کہا:

''لات اور عزّیٰ کی قسم! اگر میں نے انھیں ایسا کرتے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا۔''

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عین اس وقت ابوجہل وہاں آیا۔ وہ فوراً آگے بڑھا تاکہ آپ کی گردن مبارک پر اپنا پاؤں رکھ دے۔ وہ اس ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ لوگوں نے اسے گھبرا کر پیچھے ہٹتے دیکھا، ساتھ ہی وہ اپنے منہ کو کسی چیز سے بچانے کے لیے ہاتھ آگے کر رہا تھا۔ لوگ اس پر حیران ہوئے، بعد میں جب اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا:

''کیا بتاؤں، میرے اور ان کے درمیان اچانک آگ کی ایک خندق آ گئی تھی، اس خندق کے علاوہ کوئی اور بھی ہولناک سی چیز تھی اور کچھ پَر بھی مجھے دکھائی دیے تھے۔''

جب نبیٔ کریم ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''اگر وہ میرے قریب آ جاتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نبیٔ اکرم ﷺ مقامِ ابراہیم پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ اس طرف سے ابوجہل

گزرا۔ آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر اس نے کہا: اے محمد! (ﷺ) کیا ہم نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ یہاں اپنی عبادت نہ کیا کریں؟ ساتھ ہی اس نے آپ کو دھمکیاں بھی دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے اسے سخت انداز میں جھڑک دیا۔ اس پر وہ بولا: آپ کس کے بل پر مجھے جھڑک رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہاں سب سے زیادہ حمایتی میرے ہیں۔''

اسی طرح ایک دن کسی جگہ ایک اونٹ ذبح کیا گیا۔ ابوجہل کو پتا چلا تو اس نے عقبہ بن ابی معیط سے کہا: ''تم جا کر اس اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لاؤ اور محمد (ﷺ) جب سجدہ میں جائیں تو وہ اوجھڑی آپ کی کمر پر رکھ دینا۔''

اس نے ایسا ہی کر ڈالا۔ جب آپ سجدے میں گئے تو اوجھڑی آپ کی کمر پر رکھ دی۔ وہ اس قدر وزنی تھی کہ آپ سر نہ اٹھا سکے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے یہ بات بتائی۔ وہ ابھی بچی تھیں، دوڑتی ہوئی آئیں، آپ کی کمر پر سے اس بوجھ کو اتارا، ساتھ میں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو خوب برُا بھلا کہا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ ایک دن خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایسے میں عقبہ بن ابی معیط وہاں آیا، اس نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنی چادر اتاری، اس کو رسی کی طرح بل دیے اور جب آپ سجدے میں گئے تو اس نے بل دی ہوئی چادر آپ کی گردنِ مبارک میں ڈال دی، پھر اس کو بل دینے لگا اور کستا چلا گیا، اس طرح آپ کی گردن خوب کسی گئی لیکن آپ اسی طرح اطمینان سے سجدے میں رہے۔ ایسے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے، یہ منظر دیکھ کر وہ فوراً آگے بڑھے۔

انھوں نے عقبہ کو ایک زور دار دھکا دیا اور اسے پیچھے دھکیل دیا، چادر کو آپ کی گردن سے ہٹایا اور زبان سے یہ الفاظ کہے:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾

''کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔'' (المؤمن 28:40)

اس پر وہ شریر لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جھپٹ پڑے اور انھیں خوب مارا پیٹا۔

ان واقعات پر سورۂ علق کی آیات 6 تا 19 نازل ہوئیں جب کہ آپ نے پہلی پانچ آیات کے نازل ہونے کے بعد اسلام کا اولین اظہار نماز ہی سے کیا تھا۔ کفار نے آپ سے پہلی مرتبہ جھگڑا بھی نماز شروع کرنے پر کیا تھا۔ ان آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''سچ مچ ! انسان تو یقیناً آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ خود کو بے پروا سمجھتا ہے۔ بے شک آپ کے رب ہی کی طرف واپسی ہے۔ کیا آپ نے اسے دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ بھلا دیکھ تو اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو۔ یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو؟ بھلا دیکھ تو اگر وہ (حق کو) جھٹلاتا اور (اس سے) منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کی بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے۔ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو

بلا لے۔ یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں۔''

ابولہب اگرچہ آپ کا چچا تھا لیکن پھر بھی وہ آپ کے خلاف دل میں بے تحاشا کدُورت رکھتا تھا۔ ہر جگہ آپ کا پیچھا کرتا جونہی آپ کسی سے بات شروع کرتے تو شور مچا دیتا، غلط باتیں بنا کر اس آدمی کو آپ کی بات سننے کے قابل نہ رہنے دیتا۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں شروع دن ہی سے اس کا موقف یہی تھا۔ اس وقت قریش نے تو اس طرح کی کوئی بات سوچی بھی نہیں تھی۔

ابھی ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ جب آپ دین کی دعوت کے لیے نکلتے تو ابولہب آپ کا پیچھا کرتا۔ طارق بن عبداللہ محاربی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف آپ کو جھٹلاتا ہی نہیں تھا، آپ کو پتھر بھی مارتا تھا، ان پتھروں سے آپ کی ایڑیاں خون آلودہو جاتی تھیں۔

اسی ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی نبیٔ کریم ﷺ کی دو بیٹیوں سیدہ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے کی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی۔ نبوت ملنے پر جب آپ نے دین کی دعوت شروع کی تو اس نے بہت سخت رویّہ اختیار کیا، دونوں کو طلاق دلوا دی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

جب نبیٔ کریم ﷺ کے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب بہت خوش ہوا، دوڑ کر اپنے دوستوں کے پاس گیا اور انھیں یہ خبر سنائی، بولا:

''محمد (ﷺ) ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے۔''

یہ کہنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی نسل منقطع ہوگئی۔ اسی طرح ابولہب کی بیوی بھی اس کام میں اس سے پیچھے نہیں تھی۔ اس کا نام اروی اور کنیت ام جمیل تھی۔ یہ حرب بن امیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی۔ یہ بدبخت آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی، بدزبان اور شر پسند تھی۔ آپ کے خلاف بدزبانی کرنا اس کا معمول تھا، بہت فتنہ پرداز تھی، فتنے کی آگ کو بھڑکانا گویا اس کے لیے معمولی کام تھا، اسی لیے قرآنِ کریم میں اس کے لیے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ ، یعنی لکڑیاں ڈھونے والی کا لقب آیا ہے۔

اروی کو جب معلوم ہوا کہ قرآن میں اس کی اور اس کے شوہر کی برائی آئی ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکلی، مٹھی میں اس نے پتھر اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ میں تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب وہ مسجد حرام کے سامنے پہنچی تو اسے صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دکھائی دیے۔ اللہ کی قدرت سے نبی کریم ﷺ کو وہ دیکھ نہ سکی، چنانچہ بولی:

''اے ابوبکر! تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری برائی بیان کرتا ہے، اگر وہ مجھے مل گیا تو یہ پتھر اس کے منہ پر پھینک ماروں گی۔''

ساتھ میں اس نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں شاعرہ بھی ہوں، میرا شعر سنو۔'' یہ کہہ کر اس نے شعر پڑھا:

«مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا وَدِينَهُ قَلَيْنَا»

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی، اس کے حکم کو نہ مانا اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت سے قبول نہ کیا۔''

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ اب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں اے ابوبکر! وہ مجھے نہیں دیکھ سکی، اللہ نے اس کی نگاہ تھام لی تھی۔''

ان تمام تر مخالفتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ اپنی تبلیغ میں لگے رہے۔ جہاں کچھ لوگ جمع ہوتے، آپ وہاں پہنچ جاتے، انھیں دین کی دعوت دیتے، قرآنِ کریم کی آیات ان کے سامنے تلاوت کرتے، گزشتہ تمام پیغمبروں نے جو پیغام اپنی اُمتوں کو دیا تھا، آپ بھی وہی پیغام انھیں سناتے۔ وہ پیغام یہ تھا:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾

''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' (ھود 11:50)

یہ پیغام سنانے کے بعد آپ لوگوں کے سامنے کھلم کھلا عبادت بھی کرنے لگے تھے۔ آپ دن دہاڑے خانہ کعبہ میں نماز ادا فرماتے۔ اس طرح آہستہ آہستہ آپ کی تبلیغ کامیابی سے ہمکنار ہوتی چلی گئی۔ آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ پھر ایسا بھی ہوا کہ ایک گھر میں ایک آدمی مسلمان ہو گیا تو دوسرے اس کے خلاف ہو گئے، اس سے نفرت کرنے لگے۔

قریش اب بہت فکر مند ہو گئے تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ محمد (ﷺ) کا پیغام پھیل رہا ہے، لوگ اس کو قبول کرتے چلے جا رہے ہیں اور اگر حالت یہی

رہی تو ان کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ اس طرح ان کے راستے میں مشکلات پیدا ہوں گی۔ اسی سوچ نے انھیں حد درجے پریشان کردیا۔ ادھر حج کا موسم قریب تھا، انھیں فکر لاحق ہوئی کہ اب محمد (ﷺ) حج کے لیے آنے والوں کو اپنا پیغام سنائیں گے۔

اس خیال نے انھیں اور پریشان کردیا۔ کچھ لوگ جمع ہوئے اور ولید بن مغیرہ کے پاس آئے۔ یہ بااثر شخص تھا، تھا بھی عمر رسیدہ۔ اس نے کہا:

''دیکھو! حج کے موسم کی وجہ سے لوگ چاروں طرف سے یہاں آئیں گے۔ ظاہر ہے ان تک بھی محمد (ﷺ) کی باتیں پہنچی ہوں گی۔ اب جو کرنا ہے، سب مل کر طے کرلو، مختلف باتیں نہ کہتے پھرنا، ورنہ لوگ تمھیں جھٹلائیں گے۔''

اس پر ان لوگوں نے کہا:

''تب پھر بہتر یہ ہے کہ آپ ہی کوئی رائے دیں۔''

اس پر وہ بولا:

''نہیں، تم کہو، میں سنوں گا، پھر اپنا مشورہ دوں گا۔''

ان لوگوں نے کہا:

''اچھا تو پھر ہم حاجیوں کو بتائیں گے، یہ شخص کاہن ہے۔''

اس پر وہ بولا:

''لیکن وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہوا ہے۔ اس میں کاہنوں والی کوئی بات بھی نہیں، نہ وہ ان کی طرح گنگناتا ہے، نہ ان کی طرح تک بندی کرتا ہے۔''

اب ان لوگوں نے کہا:

''اچھا تو ہم ان سے کہیں گے: یہ پاگل ہے۔''

ولید بن مغیرہ نے کہا:

''نہیں، وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ ہم نے پاگلوں کو دیکھا ہے۔ ہم جانتے ہیں پاگل کیسے ہوتے ہیں، اس میں پاگلوں جیسی گھٹن نہیں ہے، نہ وہ الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے کہ ہم اسے پاگل قرار دے سکیں۔''

اس پر وہ بولے:

''تو ہم ان لوگوں سے کہیں گے: یہ شاعر ہے۔''

ولید بن مغیرہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہم شعر و شاعری کی تمام قسموں سے واقف ہیں، لہٰذا یہ بات بھی نہیں چلے گی۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''ہم کہیں گے: وہ جادوگر ہے۔''

ولید نے فوراً کہا:

''نہیں! وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم نے جادوگروں کو دیکھا ہے، ان کے جادو کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔ وہ نہ ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے، نہ گرہ بندی کرتا ہے۔''

اب ان لوگوں نے تنگ آ کر کہا:

''تب پھر ہم کیا کہیں؟ آپ بتائیں نا؟''

تمام باتیں سننے کے بعد اس نے کہا:

''سنو! اس کی باتوں میں تازگی ہے، رونق ہے اور مٹھاس ہے۔ اس کے مقابلے میں تم جو کچھ بھی کہو گے، صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہ جھوٹ ہے، ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ تم اسے جادوگر کہو کیونکہ بہر حال اس کی بات میں جادو ہے، وہ اپنے جادو کے ذریعے سے باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں اور آدمی اور اس کے خاندان میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ لوگوں کو الگ الگ کر دیتا ہے۔''

یہ بات سبھی کو پسند آئی۔ انھوں نے آپس میں طے کر لیا کہ سب کے سب بس یہی بات کہیں گے۔ اب یہ لوگ ان راستوں پر بیٹھنے لگے جن سے حاجی آتے تھے۔ حاجیوں کا جو قافلہ بھی آتا، یہ لوگ اسے آپ کے بارے میں بتاتے اور ان سے کہتے:

''اس سے خبردار رہنا، کہیں تم پر بھی اس کا جادو نہ چل جائے۔''

اس طرح آنے والے لوگوں کو پہلے ہی آپ کے بارے میں معلوم ہو گیا۔

ادھر نبیٔ کریم ﷺ حاجیوں کے مجمعوں میں جانے لگے، انھیں اسلام کا پیغام سنانے لگے، دین کی دعوت دینے لگے۔ آپ ان سے فرماتے:

''لوگو! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔''

ابولہب بھی اپنی سازشوں میں کسی سے پیچھے نہ تھا۔ آپ کے پیچھے لگا رہتا، آپ کی باتوں کو جھٹلاتا، آپ کو تکالیف پہنچاتا، غرض کوئی کمی نہ چھوڑتا، ان تمام باتوں کے باوجود نتیجہ الٹ نکلا۔ حج سے فارغ ہو کر جب لوگ واپس گئے تو ہر

طرف نبی کریم ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ آپ کا چرچا پھیل گیا، جہاں چند لوگ جمع ہوتے، آپ کا ذکر شروع ہو جاتا۔

قرآن مجید کی سورۃ المدثر کی آیات میں اسی واقعے کی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب فرمایا ہے کہ اے نبی! کفار نے جو کانفرنس کی ہے۔ اس کانفرنس میں ولید بن مغیرہ نے آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا ہے کہ تمام عرب سے آنے والے حاجیوں میں آپ کو جادوگر مشہور کر دیا جائے۔ آپ کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں، اس سے میں خود نمٹ لوں گا۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

''مجھے اور اس کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا ہے۔ اور اسے وافر مال دیا۔ اور حاضر باش بیٹے (دیے)۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے) مزید دوں۔ ہرگز نہیں! بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت عناد رکھتا ہے۔ میں جلد اسے مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا۔ بے شک اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا۔ تو وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے۔ مین جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا۔'' (المدثر 74:11-26)

مسلمانوں کی تعداد جوں جوں بڑھ رہی تھی، قریش کے ظلم و ستم میں بھی اسی

حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دوران میں آپ نے اپنے ایک مخلص صحابی سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ وہاں مسلمان آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس طرح دین کی اس تحریک کا پہلا مرکز دارِ ارقم قرار پایا۔ کوئی نیا شخص اسلام قبول کرنے کے لیے آتا تو مسلمان اسے دارِ ارقم لے آتے تھے۔ اس طرح دارِ ارقم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوئی۔

ہجرت کا آغاز

قریش کا ظلم جب حد سے تجاوز کر گیا تو نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی ایک انصاف پسند حکمران ہے، اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، لہٰذا تم حبشہ ہجرت کر جاؤ۔''

نبیٔ کریم ﷺ کی اس ہدایت کے بعد رجب سن پانچ نبوت کو مسلمانوں کے سب سے پہلے قافلے نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ یہ قافلہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی نبیٔ کریم ﷺ کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے افراد تھے جنھوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔ ان لوگوں نے رات کے اندھیرے میں کوچ کیا اور جدّہ کے جنوب میں واقع شعیبہ کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت وہاں دو تجارتی جہاز موجود تھے۔ اللہ کی مہربانی سے وہ ان میں سے ایک پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح حبشہ پہنچ گئے۔

ادھر جب قریش کو پتا چلا کہ کچھ مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ یہ گویا ان کی بڑی ناکامی تھی۔ انھوں نے فوراً اپنے آدمی بندرگاہ کی طرف دوڑائے تاکہ انھیں راستے ہی میں پکڑ لیا جائے اور وہ حبشہ نہ جانے پائیں۔ پھر پکڑ کر انھیں ایسی سزا دی جائے کہ

اللہ کا دین چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ لوگ جب بندرگاہ پہنچے تو انھیں پتا چلا کہ مسلمان جہاز میں سوار ہو کر جا چکے ہیں، چنانچہ یہ لوگ ہاتھ ملتے واپس روانہ ہوئے۔

ہجرت کے واقعے کو تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے کہ رمضان پانچ نبوت میں ایک روز نبیٔ کریم ﷺ مسجد حرام میں تشریف لائے۔ اس وقت کعبے کے آس پاس قریش کے لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ان میں سردار اور بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔ سورۂ نجم ابھی کچھ ہی دیر پہلے نازل ہوئی تھی۔ آپ اچانک ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کر دی۔

قریش کے لوگوں نے اتنا خوب صورت کلام پہلے کبھی نہیں سنا تھا، اگرچہ وہ اہلِ زبان تھے، فصاحت اور بلاغت میں بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن اس کلام نے انھیں بے خود کر دیا۔ وہ حیرت زدہ انداز میں سنتے رہے۔ وہ اس طرح ساکت ہو گئے تھے کہ نہ آپ کو روک سکے اور نہ خود سنے بغیر رہ سکے۔ سورت کے آخر میں جب ڈانٹ ڈپٹ والی آیات آئیں تو ان کے دل کانپ اٹھے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾

”اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو۔“ (النجم 62:53)

یہ آیت پڑھتے ہی آپ نے سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ ہی بے اختیار انداز میں وہ سب بھی سجدے میں چلے گئے۔ سب کے سب اللہ کا حکم ماننے پر مجبور ہو گئے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے سورۂ نجم

پڑھی، پھر سجدہ کیا تو قوم کے تمام لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ان میں سے کوئی بھی سجدہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔صرف ایک آدمی ایسا تھا جس نے کنکر یا مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے تک لے جا کر بولا:

''میرے لیے یہی کافی ہے۔''

بعد میں اسے کفر پر مرتے دیکھا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا جو بدر کے دن قتل ہوا۔

اس واقعے کی خبر ان لوگوں کو ہوئی جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔انھوں نے خیال کیا کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ خبر ان کے لیے حد درجے خوشی کی تھی۔ اب وہ حبشہ میں رک کر کیا کرتے،خوشی خوشی واپس روانہ ہوئے۔ سفر کرتے ہوئے مکہ معظّمہ کے نزدیک پہنچے اور صرف ایک گھڑی کا فاصلہ باقی رہ گیا تو پتا چلا وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے،بس بے اختیار انداز میں سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ اب یہ لوگ پریشان ہوئے کہ کیا کریں، کچھ نے تو واپس حبشہ جانے کا فیصلہ کیا اور واپس چلے گئے، کچھ پوشیدہ طور پر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ معظّمہ میں داخل ہو گئے۔

اب ایک بار پھر قریش مسلمانوں پر ظلم ڈھانے لگے، پہلے کی نسبت ان کے مظالم بہت بڑھ گئے۔اس کی وجہ بھی وہی سجدہ تھا جو وہ کر بیٹھے تھے، بعد میں انھیں پچھتاوا محسوس ہوا۔ ادھر حبشہ کا بادشاہ نجاشی وہاں ہجرت کر جانے والوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہا تھا، لہٰذا حبشہ میں مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں تھی۔

اس بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم لوگ حبشہ ہجرت کر جاؤ۔''

ہجرت کا آغاز

دوسری بار جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ تعداد میں بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں لیکن اس ہجرت میں مسلمانوں کو زیادہ مشکلات پیش آئیں۔ پہلی مرتبہ تو قریش کو یہ خدشہ تھا ہی نہیں لیکن اس کے بعد تو قریش چوکنّے ہو گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کی نقل و حرکت پر برابر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود مسلمان ان سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئے۔ قریش کی لاکھ کوشش کے باوجود وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس مرتبہ جو مسلمان ہجرت کرنے میں کامیاب ہوئے تو کفار کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی، رونا دھونا مچ گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی فرد ان مہاجروں میں شامل نہ ہو۔ کسی کا بیٹا چلا گیا تھا تو کسی کا داماد، کسی کا بھائی گیا تھا تو کسی کی بہن، مثلاً: ابوجہل کے بھائی سلمہ بن ہشام، اس کے دو چچا زاد بھائی اور چچا زاد بہن ام سلمہ، پھر ابوسفیان کی بیٹی امِ حبیبہ، عتبہ کے بیٹے اور ہند کے سگے بھائی ابو حذیفہ (یہ وہی ہند ہے جس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبایا تھا)، سہیل بن عمرو کی بیٹی سہلہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ مخزومی، عثمان بن مظعون، جعفر بن ابوطالب اور ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

غرض تقریباً تمام سردارانِ قریش اور اسلام کے مشہور دشمنوں کے عزیز رشتے دار دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جو متاثر نہ ہوا ہو، لہٰذا وہاں کہرام مچنا کچھ غلط نہ تھا۔

ادھر قریش کو یہ بات بہت شاق گزری کہ مسلمان ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ بات انھیں کسی طرح گوارا نہ تھی۔ زیادہ غصہ انھیں اس بات پر تھا کہ وہ بالکل محفوظ اور پرسکون مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اس مقام پر ان کے دین، جان اور مال کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

یہی وجہ تھی کہ قریش بہت فکر مند ہو گئے۔ ان سب نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اب کیا کریں؟ آخر طے پایا کہ دو ہوشیار آدمیوں کو حبشہ بھیجا جائے، چنانچہ اس کام کے لیے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بھیجا گیا۔ دونوں اس وقت تک مشرک تھے۔ یہ حبشہ پہنچے، اپنے منصوبے کے تحت پہلے انھوں نے وہاں کے پادریوں سے ملاقاتیں کیں، انھیں تحفے تحائف پیش کیے، بہت اچھے انداز میں اپنی آمد کا مقصد ان پادریوں پر واضح کیا۔ ان سب نے ان دونوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ نجاشی کے پاس آئے، اسے بھی خوب تحفے پیش کیے۔ اس کے بعد کہیں جا کر انھوں نے اپنی آمد کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا:

''اے بادشاہ! ہمارے ملک کے کچھ ناسمجھ لوگوں نے اپنا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے اور آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں۔ انھوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے، اس کو ہم لوگ نہیں جانتے، آپ بھی نہیں جانتے ہیں، ہمیں آپ کی خدمت میں ان لوگوں کے قبیلے کے بڑے لوگوں نے بھیجا ہے۔ ان کی آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان لوگوں کو واپس بھیج دیں، ان کے بڑے انھیں اچھی طرح جانتے ہیں۔''

پادری بھی ان کی تائید کرنے لگے، انھوں نے پہلے سے یہ بات طے کر رکھی

تھی۔ اس موقع پر نجاشی نے ذہانت سے کام لیا، اس نے سوچا، دوسرے فریق کی بات سنے بغیر کوئی فیصلہ نہیں دینا چاہیے، اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلوالیا، پھر ان سے پوچھا:

''تم لوگوں نے وہ کون سا دین اختیار کرلیا ہے جس کی وجہ سے تمھیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور تم میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے؟''

مسلمانوں میں اس وقت سیدنا جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مسلمانوں نے بات کرنے کی ذمّے داری انھیں سونپی، چنانچہ انھوں نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، دوسروں کی برائیاں کرتے تھے، رشتے داروں سے تعلق توڑتے تھے، ہم میں جو طاقت ور تھے، وہ کمزوروں کو دبا لیتے تھے، ان پر ظلم کرتے تھے، پڑوسیوں کو تنگ کرنا ہمارا معمول تھا، ان سے بدسلوکی کر کے ہم خوش ہوتے تھے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا کرم فرمایا۔ اس نے ہم میں اپنا رسول بھیجا، رسالت کے اعلان سے پہلے وہ ہم میں پلا بڑھا تھا، ہم اس کی سچائی، عالی نسبی، امانت، دیانت اور پاک دامنی سے بخوبی واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی۔ ہمیں بتایا کہ عبادت کے لائق بس ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی عبادت کرو۔ تم اور تمھارے باپ دادا جن بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کو چھوڑ دو، وہ صرف پتھر کے بت ہیں، کسی کا نہ کچھ بنا سکتے ہیں، نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ یہی نہیں، اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتے داریاں قائم کرنے، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے، حرام کاموں سے باز رہنے اور خون خرابے سے

منع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بے حیائی کے کاموں سے منع کر دیا۔ جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روک دیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، نماز اور روزے کا بھی حکم دیا۔ اس کے علاوہ بھی اسلام کے احکام ہیں۔ اس نے ہمیں ان پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ ہم نے اس پیغمبر کو سچا جانا، اسلام قبول کیا، اللہ کے رسول کی پیروی کی، اب ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اب ہم حرام سمجھتے ہیں، جو چیزیں اس نے حلال بتائی ہیں، ہم بس ان کو حلال سمجھتے ہیں۔ ہم نے ان ہدایات پر عمل شروع کیا تو ہماری قوم بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا دیے۔ ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا۔ وہ چاہتے تھے ہم ایک اللہ کی عبادت نہ کریں، پھر سے بت پرستی کی طرف آ جائیں، جن چیزوں کو ہمارے نبی نے حرام قرار دیا ہے، ہم پھر سے ان گندی چیزوں کو حلال سمجھنے لگیں۔ ان کا ظلم جب حد سے بڑھ گیا تو ہم وہاں سے نکل کر آپ کے ملک میں آ گئے۔ ہم نے فیصلہ کیا، آپ کے ملک میں ہمارے لیے حالات سازگار رہوں گے۔ اے بادشاہ! ہم تو یہ امید لے کر آئے ہیں کہ یہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔''

نجاشی نے ان کی باتیں غور سے سنیں۔ ان کے خاموش ہونے پر اس نے کہا:

''اپنی کتاب سے کچھ سناؤ۔''

اس پر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ ان آیات

کو سن کر نجاشی رونے لگا۔ اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی، اس کے ساتھ تمام پادری بھی رو پڑے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ انھوں نے ہاتھوں میں جو صحیفے تھام رکھے تھے، وہ تر ہوگئے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے چپ ہونے پر نجاشی بولا:

''یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے، دونوں ایک ہی طاقِ شمع سے نکلے ہیں۔''

اب وہ قریشی نمائندوں سے بولا:

''تم لوگ واپس لوٹ جاؤ، اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو تمھارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔ تمھاری کوئی چال ان کے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتی۔''

اس وقت تو وہ لوٹ گئے، دوسرے دن عمرو بن عاص نے ایک اور تدبیر اختیار کی۔ یہ تدبیر پہلی کے مقابلے میں زیادہ خطرناک تھی، وہ ایک بار پھر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس سے کہا:

''اے بادشاہ! آپ ان لوگوں سے پوچھیں، یہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔''

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور ان سے بولا:

''تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری پاک دامن مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔''

یہ سن کر نجاشی نے فوراً ایک تنکا اٹھایا اور بولا:

”اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس سے عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہیں تھے۔“

پھر اس نے مسلمانوں سے کہا:

”تم جہاں چاہو امن سے رہو، کسی نے اگر تمھیں گالی دی تو اس پر تاوان لگایا جائے گا۔“

یہ جملہ اس نے تین بار کہا، پھر بولا:

”مجھے سونے کا پہاڑ ملے تب بھی یہ بات پسند نہیں کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں۔“

اس کے بعد اس نے حکم دیا:

”قریشی لوگوں کو ان کے تحائف واپس دے دو۔“

اس طرح یہ دونوں حضرات منہ لٹکائے مکہ واپس چلے گئے اور مسلمانوں کو ایک اچھی جائے پناہ مل گئی۔ مشرکین بُری طرح ناکام ہوئے۔ اب وہ یہ بات بھی جان چکے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں وہ اپنے گھر ہی میں جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس ناکامی نے انھیں سیخ پا کر دیا۔ اب وہ اور زیادہ خوفناک انداز میں مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنانے پر اُتر آئے۔ آخر اس سارے مسئلے کے انھیں دو حل سوجھے۔ پہلا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی تبلیغ نہ کرنے دیں، طاقت کے بل پر آپ کو روک دیں یا پھر آپ کو اس دنیا ہی سے رخصت کر دیں۔ دوسری صورت آسان نہیں تھی کیونکہ ابوطالب آپ کے نگران تھے، وہ مشرکین کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ آخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ ابوطالب

سے کھل کر بات کر لی جائے۔

اس طرح سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس آئے، انھوں نے اس طرح بات شروع کی:

''ابوطالب! آپ ہمارے نزدیک بہت قابلِ احترام ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا، اپنے بھتیجے کو روک لیجیے لیکن آپ نے توجہ نہیں دی۔ اب ہم آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم یہ کسی صورت برداشت نہیں کریں گے کہ ہمارے آباء واجداد کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے وقوف کہا جائے، ہمارے خداؤں کو نشانہ بنایا جائے، ان پر نکتہ چینی کی جائے، اب بھی ہم کہتے ہیں، آپ انھیں روک لیجیے ورنہ ہم آپ کے اور ان کے خلاف ایک ایسی جنگ شروع کر دیں گے جو کسی ایک فریق کا خاتمہ کیے بغیر نہیں رکے گی۔''

ان کی یہ دھمکی بہت کارگر رہی، چنانچہ ابوطالب نے نبیٔ اکرم ﷺ کو بلایا اور آپ سے بولے:

''دیکھو بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے۔ انھوں نے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں تمھیں دین کی تبلیغ سے روک دوں۔ انھوں نے اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اب تم مجھ پر اور خود پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔''

چچا کے ان الفاظ سے نبیٔ اکرم ﷺ نے سمجھا کہ وہ اب آپ کا ساتھ چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اب ان میں آپ کی مدد کرنے کی ہمت نہیں رہی، یہ سوچ کر آپ نے فرمایا:

''چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تاکہ میں اس کام سے رک جاؤں تو بھی اللہ کی قسم! میں اس کام کو نہیں چھوڑوں گا، میں یہ کام جاری رکھوں گا یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے گا، یا پھر میں اسی راستے میں فنا ہو جاؤں گا۔ بہرحال میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا۔''

یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، ساتھ ہی آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر ابوطالب کا دل بھر آیا۔ انھوں نے کہا:

''جاؤ بھتیجے! جو چاہو کرو، جو چاہو کہو، میں تمھارا ساتھ کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ اشعار بھی پڑھے:

وَاللهِ لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا
فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ
وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

''اللہ کی قسم! وہ لوگ اگر اپنی پوری جماعت کے ساتھ بھی تم تک آنا چاہیں تو نہیں آ سکتے جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں، تم اپنی بات کھلم کھلا کہو، تم پر کوئی پابندی نہیں، تم خوش ہو جاؤ، اور اس کام سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔''

ہجرت کا آغاز

قریش نے دیکھا کہ انھوں نے جو دھمکی ابوطالب کو دی تھی، وہ بے کار گئی ہے۔ اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اللہ کے رسول ﷺ برابر اپنا کام کیے جا رہے ہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ابوطالب محمد ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ انھوں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ وہ قریش سے تو جدا ہو سکتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، یہاں تک کہ ان سے دشمنی مول لینے کے لیے بھی تیار ہیں۔ اب ایک بار پھر وہ ابوطالب کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ولید بن مغیرہ کا بیٹا عُمارہ بھی تھا۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا:

''اے ابوطالب! ہم یہ نوجوان اپنے ساتھ لائے ہیں، یہ قریش کا خوب صورت نوجوان ہے، بانکا اور سجیلا ہے، آپ اسے لے جائیں، اس کی دیت اور نصرت کے آپ حق دار ہوں گے، آپ اسے اپنا بیٹا بنا لیں، یہ آپ کا ہوگا، اس کے بدلے میں آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اس بھتیجے کو جس نے آپ کے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے اور آپ کی قوم کو منتشر کر رکھا ہے۔ ہم اسے قتل کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے اس کے بدلے میں اس نوجوان کو لائے ہیں، یعنی ایک آدمی کے بدلے میں ایک آدمی۔''

ان کی تجویز سن کر ابوطالب نے کہا:

''اللہ کی قسم! تم ایک بہت ہی گھٹیا تجویز لے کر آئے ہو۔ تم بہت بُرا سودا کرنا چاہتے ہو۔ تم اپنا بیٹا تو مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں، کھلاؤں اور پلاؤں اور بدلے میں میرا بیٹا اس لیے لیتے ہو کہ اسے قتل کر دو، اللہ کی قسم! یہ ناممکن ہے۔''

ان کی بات کے جواب میں نوفل بن عبد مناف کا پوتا مطعم بن عدی بول اٹھا:

''اے ابوطالب! اللہ کی قسم! تمھاری قوم نے تم سے انصاف کی بات کی ہے اور جو صورت تمھیں پسند نہیں، اس سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن میرے خیال میں تمھیں ان کی کوئی بات منظور نہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔''

اس کی بات کے جواب میں ابوطالب نے کہا:

''تم نے کوئی انصاف کی بات نہیں کی بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالفین کی مدد کرنا چاہتے ہو تو کر و ان کی مدد۔''

اس بات چیت کی ناکامی کے بعد قریش اپنے ظلم میں کئی ہاتھ اور آگے بڑھ گئے۔ تکالیف پہنچانے کا سلسلہ پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا۔ ایک بار پھر وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے لیکن یہی سختیاں اور منصوبے مکے کے جانبازوں میں سے دو نابغۂ روزگار سرفروشوں، یعنی حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے اور ان کے ذریعے سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا سبب بن گئے۔ جور و جفا کے سلسلۂ دراز کے ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں:

ابولہب کا بیٹا عُتَیبَہ ایک دن نبئ کریم ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

''﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى﴾ اور ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ کے ساتھ میں کفر کرتا ہوں۔''

یہ کہا اور آپ پر چڑھ دوڑا، آپ کا کرتا پھاڑ ڈالا، آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا، یہ اور بات ہے کہ اس کا تھوک آپ کے چہرۂ مبارک پر نہیں پڑا۔ اس موقعے پر نبئ اکرم ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی:

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما دے۔''

آپ کی یہ بددعا قبول ہوئی، عُتَیبَہ نے کچھ عرصے بعد قریش کے لوگوں کے

ساتھ سفر کیا۔ قافلے نے ملکِ شام کے مقام ''زرقاء'' میں پڑاؤ ڈالا۔ رات ہوئی تو ایک شیر قافلے کا چکر کاٹنے لگا۔ عُتَیْبَہ نے شیر کو دیکھتے ہی کہا:

''ہائے میری بربادی، اللہ کی قسم! یہ مجھے کھا جائے گا، محمد (ﷺ) نے میرے لیے بددعا کی تھی۔ دیکھ لو میں اگرچہ شام میں ہوں لیکن اس نے مجھے مکے میں رہتے ہوئے مار ڈالا۔''

قافلے میں شریک لوگوں نے اسے دلاسہ دیا اور اسے قافلے کے عین درمیان میں سلایا لیکن جب نصف رات ہوئی تو شیر لوگوں کو پھلانگتا ہوا اس کے نزدیک آ گیا اور اسے چیر پھاڑ ڈالا۔

سیدنا حمزہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے۔ عمر میں آپ سے صرف دو تین سال ہی بڑے تھے۔ اب دونوں نے چونکہ ثویبہ کا دودھ پیا تھا، اس لیے رضاعی بھائی بھی تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو سپہ گری اور شکار کا بہت شوق تھا۔ صبح سویرے تیر کمان لے کر شکار کے لیے نکل جاتے اور پورا پورا دن اس شوق میں گزار دیتے۔ واپسی شام کے وقت ہوتی۔ پہلے حرم میں جاتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ قریش کے سردار حرم میں مختلف جگہوں پر اپنی اپنی مجلسیں جماتے تھے۔ ان سبھی سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی علیک سلیک تھی، سبھی ان کی قدر کرتے تھے۔

ایک دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر بیٹھے تھے۔ ایسے میں ابوجہل ادھر آ نکلا۔ اس کی نظر آپ پر پڑی تو فوراً گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ آپ کو خاموش پا کر اسے اور زیادہ غصہ آ گیا۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور آپ کے سر پر دے مارا۔ آپ زخمی ہو گئے، سر سے خون بہنے لگا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس دن بھی شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ شام کے وقت واپس لوٹے تو عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے آپ کو بتایا کہ آج آپ کے بھتیجے کو ابوجہل نے سخت تکلیف پہنچائی ہے، اس نے ایک پتھر ان کے سر پر مار کر ان کو زخمی کر دیا ہے۔

یہ سن کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ بھتیجے کی محبت نے رنگ دکھایا۔ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے اور جاتے ہی کمان اس کے سر پر پورے زور سے دے ماری۔ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اسے زخمی کرنے کے بعد آپ وہاں

سے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور بولے:

''بھتیجے! تم یہ سن کر ضرور خوش ہو گے کہ میں بھی جواب میں ابوجہل کا سر پھاڑ آیا ہوں۔ میں نے اس سے تمھارا بدلہ لے لیا ہے۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ اگر آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ بھی مسلمان ہو جائیں۔''

آپ کی بات سن کر ان کے دل پر بہت اثر ہوا۔ انھوں نے اسی وقت کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

اس واقعے کے صرف تین دن بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ایمان لے آئے۔ آپ قریش کے بہت بڑے ستون اور مددگار تھے۔ بیرونی ممالک سے سفارتی تعلقات رکھنا آپ کی ذمے داری تھی۔ گویا آپ اس سلسلے میں قریش کے نمائندے تھے، اور یہ ذمے داری بہت اہم تھی۔ آپ اسلام کے بہت خلاف تھے۔ مخالفانہ کارروائیوں میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ ایک رات نبی اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھپ کر چند آیات سن لیں۔ ان آیات کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر بہت اثر ہوا، ذہن میں بات آئی کہ یہ کلام حق ہے لیکن پھر اسلام دشمنی کے خیالات غالب آ گئے، یہاں تک کہ ایک روز آپ کو قتل کرنے کی نیت سے نکلے۔ ننگی تلوار ہاتھ میں تھی۔ ایسے میں ان کی ملاقات سامنے سے آتے ہوئے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھوں نے پوچھا:

''عمر! دوپہر کو کہاں جا رہے ہو؟''

انھوں نے فوراً جواب دیا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے جا رہا ہوں۔''

یہ سن کر نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لے لو، تمھاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید تمھارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں۔''

آپ کو یہ سن کر دھچکا لگا۔ مارے غصے کے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنا رخ بہن کے گھر کی طرف کر لیا۔ ان کے گھر میں اس وقت قرآنِ کریم کی تعلیم دینے کے لیے سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ وہ انھیں قرآن پڑھا رہے تھے۔ دستک کی آواز سن کر آپ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً قرآن کے اوراق کو چھپا دیا۔ خباب رضی اللہ عنہ بھی ایک کونے میں جا چھپے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آتے ہی بہنوئی سے کہا:

''مجھے دکھاؤ! تم کیا پڑھ رہے تھے۔''

ساتھ ہی بہنوئی کو مارنے لگے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھیں تو انھیں بھی مارا۔ ان کے ایک گھونسا ایسا لگا کہ منہ سے خون بہنے لگا۔ اب بہن جوش میں بھر گئیں اور کہہ اٹھیں:

''تم سے جو ہوتا ہے کر لو، ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔''

بہن کو زخمی دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے شرم محسوس کی۔ ہاتھ روک کر بولے: ''اچھا! مجھے بھی سناؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ میں جاننا چاہتا ہوں، تمھارا دین ہے کیا؟''

آپ کی بہن نے سخت لہجے میں چند باتیں کہیں، پھر ان سے فرمایا:

''پہلے جا کر غسل کرو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، پھر سورۂ طٰہٰ کی چند آیات پڑھیں۔ ان آیات نے انھیں بدل کر رکھ دیا، فوراً کہہ اٹھے:

''یہ تو بہت عظیم کلام ہے۔ مجھے بتاؤ کہ مسلمان کس طرح ہوتے ہیں؟''

ان کے یہ الفاظ سن کر سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بھی پوشیدہ جگہ سے نکل کر سامنے آ گئے کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ اب عمر پہلے والے عمر نہیں رہے۔ سامنے آ کر انھوں نے کہا:

''اے عمر! تمھیں مبارک ہو۔ جمعرات کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! ابوجہل یا عمر سے اسلام کو طاقت عطا فرما، لہٰذا یہ سعادت تمھارے حصے میں آئی ہے۔''

اس کے بعد انھیں بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دارِ ارقم میں ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''مجھے وہاں لے چلو۔''

اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دارِ ارقم پہنچے، دروازے پر دستک دی گئی۔ اندر موجود افراد نے دروازہ کھولا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چونک اٹھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی، آپ نے فرمایا:

''دروازہ کھول دو۔''

سیدنا عمر اندر داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کُرتہ پکڑ کر کھینچا اور پوچھا:

''عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟''

انھوں نے فوراً پڑھا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

یہ بہت اچانک ہوا۔ اس کی امید بھی نہیں تھی، لہٰذا تمام مسلمان جوش سے بھر گئے اور بے اختیار پکار اٹھے: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ»

شعب ابی طالب میں

سیدنا حمزہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا کافروں کی بڑی ناکامی تھی، ادھر شاہِ حبشہ نجاشی نے بھی قریش کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور وہ اس محاذ سے بھی ناکام لوٹے تھے۔ دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوششیں رنگ لا رہی تھیں اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ ان حالات نے قریش کی بے چینیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ اب وہ کوئی سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے حالات کا بغور جائزہ لیا کہ کس طرح اسلام کی کامیابیوں کے آگے بند باندھیں۔ آخر وہ ایک جگہ جمع ہوئے، آپس میں مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے تمام تر تعلقات ختم کر لیے جائیں، یعنی ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے، کوئی لین دین نہ کیا جائے، کھانے پینے کی چیزیں تک انھیں فروخت نہ کی جائیں، ان سے بات چیت بھی نہ کی جائے اور یہ سب اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ یہ لوگ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں تاکہ ہم انھیں قتل کر سکیں۔

انھوں نے یہ قرارداد باقاعدہ تحریر کی۔ اس پر سب نے دستخط کیے، پھر اس تحریر کو کعبے کے اندر لٹکا دیا گیا۔ سبھی قبیلوں نے اس معاہدے میں شرکت کی تھی، خاص طور پر بنو کنانہ نے اس معاہدے کی بہت زیادہ حمایت کی۔

یہ معاہدہ بغیض بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اس ظالمانہ کارروائی کی اسے یہ سزا ملی کہ اس کی انگلیاں فالج زدہ ہو گئیں، ہاتھ

ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گیا۔

قریش کے اس خوفناک حد تک ظالمانہ بائیکاٹ کی وجہ سے ابوطالب نے اپنے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں پناہ لی۔ یہ مکہ معظّمہ کے ایک محلے کا نام ہے۔اس میں بنو ہاشم رہا کرتے تھے۔شعب عربی میں گھاٹی کو کہتے ہیں۔ یہ کوہِ ابوقبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی تھی۔ اب چونکہ ابوطالب بنو ہاشم کے سردار تھے، اس لیے اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب نے ابوطالب کا بھرپور ساتھ دیا۔ سب کے سب اس گھاٹی میں چلے آئے۔فرق یہ تھا کہ مسلمانوں نے دین کی وجہ سے گھاٹی کو آباد کیا اوران کے عزیز جوان کے ساتھ آئے تھے، انھوں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی بنا پر ان کا ساتھ دیا، البتہ بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب نے ان کا ساتھ نہ دیا، وہ قریش کے ساتھ شہر ہی میں رہا۔

اس گھاٹی میں بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال گزارے، یہ تین سال سخت تنگی کے سال تھے۔ تنگ دستی اس قدر تھی کہ گھاٹی سے بچوں کے بلبلانے کی آوازیں بلند ہوتی رہتی تھیں۔ آہستہ چلنے والوں کو ان کی آوازیں سنائی دیتی تھیں مگر وہ لوگ اس قدر سنگ دل تھے کہ ان کے دل ذرا بھی نہ پسیجے، الٹا وہ ان چیخوں کو سن کر خوش ہوتے رہے۔

مسلمانوں نے یہ تین سال درختوں کے پتے اور چمڑا کھا کر گزارے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’میں بھوکا تھا، اتفاق سے رات کے وقت میرا پاؤں کسی چیز پر پڑا، میں فوراً

اسے زبان پر رکھ کر نگل گیا۔ مجھے یہ اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ اسی طرح ایک رات مجھے اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا ٹکڑا راستے میں سے مل گیا، میں نے اس کو پانی سے دھو کر جلایا، پھر اس کا سفوف بنایا اور پانی کے ساتھ کچھ سفوف پھانک لیا۔ اس سفوف سے میں نے تین راتیں گزاریں۔"

قریش کا یہ معاشرتی بائیکاٹ اس قدر خوفناک تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی گھاٹی میں لے جانے نہیں دیتے تھے۔ حد تو یہ تھی کہ کوئی تجارتی قافلہ مکے میں آتا تو ابولہب یہ کہتا پھرتا:

"کوئی تاجر محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو کوئی چیز عام نرخوں پر فروخت نہ کرے بلکہ ان کے لیے قیمت اس قدر بڑھائے کہ وہ چیز یہ لوگ خرید ہی نہ سکیں۔"

قریش میں کچھ لوگ بہرحال ایسے تھے جن کے دل ان حالات کی وجہ سے کڑھتے تھے کیونکہ وہ آخر ان کے نزدیکی رشتے دار تھے، ایسے رشتہ دار خفیہ طور پر ان کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھیج دیتے تھے۔

ایک دن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھانے کا کچھ سامان لے کر نکلے۔ راستے میں ابوجہل نے ان کا راستہ روک لیا۔ اس نے کہا:

"اگر تم نے شعب ابی طالب میں غلہ پہنچایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

ایسے میں ابوالبختری سامنے سے آ گئے۔ تفصیل سن کر اس نے کہا:

"اگر ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے کچھ غلہ لے جاتا ہے تو تم کیوں روکتے ہو؟"

ابوالبختری کی بات پر ابوجہل کو غصہ آ گیا۔ وہ لگا اسے بُرا بھلا کہنے۔ اس طرح کچھ نیک لوگوں میں اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کے خیالات ابھرنے لگے۔

اس سلسلے میں ہشام بن عمرو نے کوشش کی، یہاں تک کہ زہیر بن امیہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتے دار مطعم بن عدی، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہشام اور مختلف قبیلوں کے کچھ افراد نے رات کے وقت ایک خفیہ میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں انھوں نے اس معاہدے کو منسوخ کرنے کا طریقہ طے کیا۔ اس کے بعد صبح کے وقت خانہ کعبہ کے پاس جمع ہوئے۔ پہلے انھوں نے طواف کیا، طواف کے بعد زہیر نے اعلان کیا:

''جب تک انسانیت کے خلاف اس معاہدے کو ختم نہیں کیا جاتا، میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔''

اس پر ابوجہل زہیر کی مخالفت میں بولنے لگا۔ تب چار نیک دل لوگوں نے باری باری اعلان کیا کہ ہم اس معاہدے کو منسوخ کرتے ہیں۔

یہ سن کر ابوجہل حیران رہ گیا، بولا:

''گویا تم یہ معاملہ پہلے ہی طے کر چکے ہو۔''

اب ابوجہل بھی بے بس ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو اس سنگ دلانہ معاہدے سے نجات ملی۔ یہ مسلمانوں کی ایک اور کامیابی تھی۔

غم کا سال

شعب ابی طالب کی گھاٹی سے مسلمانوں کو نجات تو مل گئی لیکن وہاں گزارے جانے والے تین سالوں نے بہت سوں کی صحت خراب کر دی۔ گھاٹی سے نبیٔ کریم ﷺ شہر میں تشریف لائے تو جلد ہی بعد ابوطالب بیمار ہو گئے اور چند روز بعد ہی وفات پا گئے۔

ابوطالب کی حالت خراب ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ یہ لوگ بھی مزاج پرسی کے لیے آئے تھے۔ آپ نے چچا سے فرمایا:

''چچا جان! کلمۂ توحید پڑھ لیں۔''

اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے فوراً کہا:

''ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟''

ابوطالب سوچ میں پڑ گئے، پھر الجھن کے عالم میں بولے:

''میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔''

ساتھ ہی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو کہا:

''میں کلمۂ شہادت پڑھ لیتا لیکن قریش کہیں گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ روک نہ دے۔''

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی انتقال فرمایا۔ اس طرح ابھی آپ مہربان چچا ابوطالب کی وفات کے صدمے سے دوچار تھے کہ ایک اور غم برداشت کرنا پڑا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی مشکل ترین حالات میں اللہ کے دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، لہٰذا ان کی وفات کا صدمہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ ان کی میت کو آپ نے خود قبر میں اتارا، چنانچہ اس سال کا نام آپ نے اپنی زبانِ مبارک سے عام الحزن رکھا۔ اسلامی تاریخ میں یہ سال عام الحزن کے نام سے مشہور ہے، اس کا مطلب ہے ''غم کا سال''۔

طائف کا سفر

ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کفارِ مکہ اور زیادہ دلیر ہو گئے۔ پہلے کی نسبت اور زیادہ آپ کو تنگ کرنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے لیے گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ ادھر ابوطالب کی وفات کے بعد ابولہب بنو ہاشم کا سردار بنا۔ اس نے شروع ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ آپ اپنے افعال اور اعمال کے خود ذمے دار ہوں گے۔ اس اعلان کا مطلب آپ کو برادری سے خارج کرنا تھا کہ جو بھی چاہے، آپ کو قتل کر دے (معاذ اللہ) قبیلہ آپ کی حمایت نہیں کرے گا۔ آخر کار آپ نے طائف تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تا کہ بنی ثقیف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، وہ اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ انھیں اس بات پر قائل کریں گے کہ وہ آپ کو اپنے ہاں چین سے بیٹھ کر کام کرنے دیں۔

طائف کی وادی مکہ سے 60 میل دور ہے۔ یہ پہاڑوں میں گھرا سرسبز مقام ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے لوگوں کے لیے یہ صحت افزا مقام ہے۔ جس زمانے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر کیا، اس وقت وہاں قبیلہ بنوثقیف برسرِ اقتدار تھا۔

آپ کے پاس اس وقت کوئی سواری نہیں تھی۔ مکہ سے طائف کا سفر آپ نے پیدل طے کیا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ صرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے وہاں پہنچنے کے بعد چند دن آرام فرمایا۔ پھر ثقیف کے سرداروں سے ایک ایک کر کے ملاقات شروع کی لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی بات نہ

مانی بلکہ آپ کو سخت لہجے میں کہہ دیا کہ یہاں سے چلے جائیں۔ دراصل انھیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں آپ ان کی نوجوان نسل کو اپنے دین کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ مجبوراً آپ کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کی، اپنے ہاں سے لفنگوں اور اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، وہ آپ پر آوازے کستے آپ کے پیچھے چلنے لگے۔ انھوں نے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے اور وہ پتھر آپ کو مارنے لگے۔ ان پتھروں سے آپ لہولہان ہو گئے۔ اس کثرت سے خون نکلا کہ آپ کے دونوں جوتے پاؤں کے ساتھ چپک گئے۔ اس حالت میں چلتے ہوئے آپ ایک باغ میں پہنچے اور باغ کی ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس حالت میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''الٰہی! میں تجھ سے اپنی کمزوری اور بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ ناروا سلوک کرے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں، میرے لیے تیری عافیت زیادہ بہتر ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں دور ہو گئیں اور جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر نازل ہو، مجھے تو تیری رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

اس دعا کے بعد آپ قرن المنازل کے قریب پہنچے تو آسمان پر ایک بادل سا

چھا گیا، آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریل علیہ السلام نظر آئے۔ انھوں نے پکار کر کہا:

”آپ کی قوم نے جو جواب آپ کو دیا ہے، اللہ نے اسے سن لیا ہے۔ اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ اللہ نے بھیجا ہے، آپ جو حکم دینا چاہیں، اسے دے سکتے ہیں۔“

پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا: ”آپ حکم دیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں۔“ جواب میں آپ نے فرمایا:

”نہیں! میں ایسا کلمہ نہیں کہوں گا، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔“

طائف سے واپسی پر آپ نے چند روز نخلہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ آپ پریشان تھے کہ اب مکہ کیسے جائیں؟ طائف کا حال ان لوگوں تک پہنچ گیا ہو گا، اب کفار پہلے سے کہیں بڑھ کر ستائیں گے۔

انھی دنوں ایک رات آپ نماز میں قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنّوں کے ایک گروہ کا اس طرف سے گزر ہوا۔ انھوں نے قرآن سنا تو ایمان لے آئے۔ اپنی قوم میں پہنچے تو انھیں اسلام کا پیغام دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ انسان اگرچہ آپ کی دعوت سے بھاگ رہے ہیں مگر بہت سے جن ایمان لے آئے ہیں اور اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کر چکے ہیں۔

اس واقعے کا ذکر سورۂ احقاف کی آیات 29 تا 32 میں آیا ہے۔ اس موقع پر جن آپ کے سامنے نہیں آئے تھے، نہ آپ نے ان کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ تاہم بعد میں جن پے در پے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور آپ کی

ان سے روبرو ملاقاتیں ہونے لگیں۔

چند روز بعد آپ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی کی امید تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قریش کی طرف سے شر کا اندیشہ بھی تھا، اس لیے آپ نے احتیاط فرمائی۔ مکے کے پاس پہنچ کر غارِ حرا میں ٹھہر گئے، وہاں سے آپ نے ایک شخص کے ذریعے سے اخنس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے مگر اس نے یہ معذرت کی کہ وہ حلیف ہے اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے اور ان کی پناہ بنو کعب بن لؤی پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے انکار کرنے پر آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم کا دادا نوفل بن عبد مناف رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کا بھائی تھا اور عبد مناف قریش کے قبیلوں میں سب سے زیادہ معزز شاخ تھی، چنانچہ مطعم بن عدی نے حامی بھر لی۔ اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار سجا لیے اور نبی کریم ﷺ کو پیغام بھیجا۔ اس طرح آپ مکے میں داخل ہوئے۔ پہلے آپ حرم میں تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مطعم بن عدی اور اس کی اولاد نے ہتھیار بند ہو کر آپ کی حفاظت کی، آپ کو گھیرے میں لیے رکھا تاکہ کوئی حملہ نہ کر سکے۔ مطعم نے قریش میں یہ اعلان بھی کیا کہ وہ محمد (ﷺ) کو پناہ دے چکا ہے، چنانچہ قریش نے بھی اس کی پناہ کو تسلیم کیا اور کوئی شرارت نہ کی۔

مدینے میں اسلام

حج کے دنوں میں ارد گرد کے قبائل مکے میں آتے تھے۔ جب یہ قبیلے آتے تو آپ ان میں سے ایک ایک کے پاس جاتے، انھیں اسلام کا پیغام دیتے۔ وہاں میلے لگتے تھے، آپ ان میلوں میں بھی جاتے اور اسلام کا پیغام سناتے۔ طائف سے واپسی پر آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ آپ مختلف محلوں میں جاتے، کبھی مکے سے باہر تشریف لے جاتے یا راستے میں کھڑے ہو جاتے، جو بھی مل جاتا، اسے دین کا پیغام ضرور دیتے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے عوام اور خواص دونوں طبقوں میں اسلام پھیلنے لگا۔

سن گیارہ نبوت کو ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ ہوا یہ کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں یثرب (مدینہ منورہ) کے چند افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ حضرات مسلمانوں کے لیے گھنے درخت ثابت ہوئے۔ ان کی چھاؤں میں مسلمانوں کو برسوں کے ظلم سے نجات ملی، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن رفاعہ (عوف بن عفراء)، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی اور جابر بن عبد اللہ بن رئاب رضی اللہ عنہم۔

یہ حضرات سن 11 نبوت کو حج کے لیے آئے تھے۔ رات کے وقت منیٰ کے میدان میں ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اس طرف سے نبیٔ اکرم ﷺ گزرے۔ آپ حج کے دنوں میں اس خیال سے ان اطراف میں گھومتے تھے کہ

شاید حج کے لیے آنے والا کوئی شخص آپ کی دعوت قبول کر لے۔

آپ کے کانوں میں ان کی باتوں کی آواز آئی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے ان کے نزدیک پہنچ کر پوچھا:

''آپ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟'' جواب میں انھوں نے کہا:

''ہمارا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''مطلب یہ کہ تم یہودیوں کے حلیف ہو؟''

انھوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا:

''کیا میں آپ کے پاس بیٹھ کر کچھ بات چیت کر سکتا ہوں؟''

وہ بول اٹھے:

''ضرور! کیوں نہیں، تشریف رکھیے۔''

آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے دین کی دعوت کی بات شروع کی، اسلام کی حقیقت ان پر واضح کی، قرآنِ کریم کی کچھ آیات انھیں سنائیں۔ انھوں نے آپ کی باتوں کو غور سے سنا، پھر آپ کے خاموش ہونے پر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگے:

''کہیں یہ وہی نبی تو نہیں جن کے حوالے دے کر یہود ہمیں دھمکاتے رہتے ہیں، ایسا نہ ہو وہ ہم سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں۔''

اس پر انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہ ایک شاندار کامیابی تھی۔ اب انھوں نے آپ سے عرض کیا:

"ہماری قوم بدترین حالات میں زندگی گزار رہی ہے، ان جیسی عداوت کسی اور میں نہیں۔ اگر آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان کی دشمنیاں ختم کرا دے، انھیں ایک کر دے تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کوئی نہیں ہوگی۔"

اس کے ساتھ ہی انھوں نے وعدہ کیا کہ دین کی دعوت کو آگے پھیلائیں گے اور آئندہ پھر آپ سے اسی جگہ ملاقات کریں گے۔

یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ سالہا سال کی مشکلات اور تکالیف کے بعد ان کا اس قدر جلد ایمان لانا ایک حد درجے خوش آئند بات تھی۔ جب یہ حضرات مدینہ پہنچے تو انھوں نے اسلام کا پیغام اپنے لوگوں کو دیا۔ بس پھر کیا تھا، گھر گھر نبیٔ اکرم ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔

اسراء اور معراج

معراج النبی کے دو حصے ہیں: اسراء اور معراج۔

اسراء سے مراد ہے، راتوں رات نبیٔ اکرم ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تک تشریف لے جانا، جب کہ معراج سے مراد ہے، عالمِ بالا میں تشریف لے جانا۔

یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ اس رات حطیم یا حجرِ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ پر نیند اور بیداری کے درمیان والی حالت طاری تھی۔ ایسے میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا اور آبِ زم زم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا، پھر آپ کے پاس سواری کے لیے ایک جانور لایا گیا۔ اس کا نام براق تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا۔ اس کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ جہاں تک نظر جاتی تھی قدم وہاں پڑتا تھا۔ تیز رفتاری کی بنیاد ہی پر اس کو براق کہا گیا ہے۔ اس سواری پر بیٹھ کر آپ مسجد اقصیٰ تک گئے۔ پھر وہاں پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے آپ کو براق سے اترنے کے لیے کہا، پھر آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو گئے۔ وہاں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آپ کے پاس دو پیالے لائے۔ ان میں سے ایک میں دودھ تھا، دوسرے میں شراب۔ دونوں پیالے پیش کرنے کا مقصد تھا کہ آپ کو ان میں سے جو چیز پسند ہو نوش فرمائیے۔ آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ یہ دیکھ کر جبریل علیہ السلام بول اٹھے:

''آپ نے فطرت پائی، آپ کو ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کے ساتھ آپ

کی امت کو بھی۔ اگر آپ شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔‘‘

اب آپ کو پھر براق پر سوار کر دیا گیا۔ یہ سفر بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک کا تھا، آپ کے لیے آسمان کا دروازہ کھلوایا گیا۔ وہاں آپ نے تمام بنی نوعِ انسان کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کو دیکھا، انھیں سلام کیا، انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اس وقت آپ نے دیکھا، ان کے دائیں طرف انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ تھا۔ اسی طرح ایک گروہ ان کے بائیں طرف تھا۔ جب آدم علیہ السلام دائیں طرف والے گروہ پر نظر ڈالتے تو مسکراتے، یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں۔ جب وہ بائیں طرف والوں کو دیکھتے تو رو دیتے، وہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔ اس کے بعد آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ دروازہ کھلا تو آپ نے وہاں دو خالہ زاد بھائیوں سیدنا یحییٰ بن زکریا اور سیدنا عیسی ابن مریم علیہم السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ دونوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ آپ کی نبوت کا اقرار کیا اور خوش آمدید کہا۔

اس کے بعد آپ کا سفر پھر شروع ہوا اور آپ تیسرے آسمان پر پہنچے۔ تیسرے آسمان پر آپ کی ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نصف حسن عطا فرمایا تھا۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ کو خوش آمدید کہا، آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد پھر آپ کا سفر شروع ہوا۔ آپ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ چوتھے آسمان پر آپ کی ملاقات ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ ادریس علیہ السلام کے ساتھ بھی اسی طرح ملاقات

ہوئی۔ پھر آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات ہارون علیہ السلام سے ہوئی، آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب میں مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ہوئی۔ ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھی آپ کی نبوت کا اقرار کیا اور آپ کو خوش آمدید کہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس وقت اپنی کمر بیتِ معمور سے لگائے بیٹھے تھے۔ بیتِ معمور کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی، یعنی جو فرشتے ایک بار داخل ہو گئے، پھر داخل نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے فرشتے اتنی تعداد میں ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

ساتویں آسمان سے آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ یہ ایک بیری کا درخت تھا۔ اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان ہوں۔ پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے تھے۔ پھر اس پر سونے کے پتنگے اور جو جو کچھ اللہ کو منظور تھا، چھا گیا۔ اس طرح بیری کا وہ درخت اس قدر خوب صورت ہو گیا کہ کوئی انسان اس کی خوبصورتی کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آپ جبریل علیہ السلام کے اس قدر قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس کے بعد آپ کو احکم الحاکمین کے حضور لے جایا گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی امت کے لیے پانچ نمازیں دن اور رات میں فرض فرمائیں۔

اس میں شک نہیں کہ نماز اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی فرض ہو گئی تھی مگر اس وقت

تک صرف دو نمازیں، فجر اور عصر فرض ہوئی تھیں، لہٰذا شب معراج تک آپ دو نمازیں ہی ادا کرتے رہے، تمام مسلمان یہی دو نمازیں اس وقت تک ادا کرتے رہے تھے۔

اسلام میں توحید کے بعد سب سے پہلا رکن نماز ہی ہے۔ نماز تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ مرتے دم تک نماز فرض رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ صحت، بیماری اور تکلیف، سفر، خوف وخطر اور حالتِ جنگ، کسی بھی حالت میں نماز معاف نہیں۔ کسی قسم کی کوئی تبدیلی ایسی نہیں جو نماز کو موقوف کر دے۔ نبیٔ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے۔''

اسی رات آپ کی واپسی ہوئی، یہ سب کچھ ایک رات کے تھوڑے سے حصے میں ہو گیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے معراج کا حال بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ دکھایا تھا، اس کے بارے میں آپ نے تفصیل سے سنایا تو قوم نے اس بارے میں بھی آپ کو جھٹلایا۔ اس واقعے کو ماننے سے صاف انکار کر دیا بلکہ آپ کا مذاق اڑایا، کسی نے سن کر حیرت ظاہر کی، کسی نے پھبتی کسی اور کسی نے مارے حیرت کے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ کچھ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے۔ انھیں خبر دی کہ آپ کے دوست یہ اور یہ کہہ رہے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی کیا شان ہے! ان کی زبانی ساری بات سن کر بولے:

''اگر یہ بات اللہ کے رسول ﷺ نے کہی ہے تو بالکل سچ کہی ہے۔''

لوگ ان کا جواب سن کر حیران ہوئے اور بولے:

''تو آپ بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں؟''

جواب میں انھوں نے کہا:

''میں تو اس سے بھی دور کی باتوں میں نبی ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں۔ صبح شام آسمان سے جو خبریں آتی ہیں، میں ان میں بھی آپ کو بالکل سچا مانتا ہوں۔''

آپ نے جو کفار کو یہ جواب دیا تو اسی روز سے آپ کا لقب صدیق ہو گیا۔

اب کفار نے نبیٔ کریم ﷺ کو آزمانے کا فیصلہ کیا، اکٹھے ہو کر آپ کے پاس آئے اور بولے:

''آپ بیت المقدس کے بارے میں بتائیں، یعنی اس کے کتنے دروازے ہیں؟ کتنے ستون ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔''

آپ نے معراج کی رات سے پہلے بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا۔ معراج کی رات میں بھی آپ نے دیکھا ضرور تھا لیکن آپ نے وہاں دروازے اور ستون وغیرہ گنے نہیں تھے کہ فوراً ان کی بات کا جواب دے دیتے، چنانچہ اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا۔ آپ دیکھتے گئے اور نشانیاں بتاتے گئے۔ یہ نشانیاں سن کر کفار حیرت زدہ ہو گئے اور آپ کی تردید نہ کر سکے بلکہ یہ کہا کہ جہاں تک اوصاف کا تعلق ہے تو آپ نے بالکل ٹھیک بیان کیے ہیں۔ پھر انھوں نے کہا:

''ہمارا ایک قافلہ ملک شام سے آ رہا ہے، آپ اس کے بارے میں کچھ بتائیں کہ اس کو آپ نے کہاں دیکھا تھا اور بھی اس کے بارے میں جو بتا سکتے ہیں، بتائیں۔''

آپ نے اس قافلے کے بارے میں بھی انھیں تفصیل سے بتا دیا، آپ نے

انھیں بتایا کہ وہ فلاں وقت تک یہاں پہنچے گا۔ قافلے کے سب سے اگلے اونٹ کے بارے میں بھی بتایا۔ غرض سب باتیں بالکل واضح طور پر بیان فرمائیں۔ یہ سب کچھ سن کر بھی وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ اگلے روز جب آپ کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق قافلہ مکے میں داخل ہوا، تب بھی وہ اپنے کفر ہی پر ڈٹے رہے۔

اسی صبح جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو پانچوں نمازوں کا طریقہ اور ان کے اوقات سکھائے، جب کہ اس سے پہلے صرف دو رکعت فجر اور دو رکعت عصر کے وقت پڑھی جاتی تھیں۔

پہلی اور دوسری بیعت عقبہ

منیٰ کے میدان میں جن اصحاب نے اسلام قبول کیا تھا، انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال وہ پھر آئیں گے اور اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی لے کر آئیں گے۔ وعدے کے مطابق اگلے سال بارہ آدمی آئے۔ ان میں سے دس خزرج سے اور دو اوس سے تھے۔ خزرج کے دس آدمیوں میں سے جابر بن عبداللہ بن رئاب کے علاوہ باقی پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آئے تھے۔

یہ لوگ ایک بار پھر منیٰ کی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے پروگرام کے مطابق ان سے ملاقات کی۔ آپ نے انھیں اسلام سکھایا اور ان سے فرمایا:

''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہیں لاؤ گے، کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، جس نے ان باتوں پر پوری طرح عمل کیا، وہ تو اللہ سے اپنا اجر پالے گا اور جس نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا اسے دنیا ہی میں دے دی گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کوئی کام کر بیٹھا اور اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ چاہے گا تو اسے سزا دے گا، چاہے گا تو معاف کر دے گا۔''

ان سب نے آپ سے ان باتوں پر بیعت کی۔ پھر جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ نے ان کے ساتھ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تا کہ وہ

انھیں دین سکھائیں، قرآن کی تعلیم دیں۔ مدینہ منورہ پہنچ کر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا اور تبلیغ کا کام شروع کیا، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بھی پوری طرح آپ کا ساتھ دیا۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قریباً ایک سال تک دعوت کا کام انجام دیتے رہے۔ حج کا موسم شروع ہونے سے کچھ پہلے یہ مکہ چلے گئے۔ آپ کو اپنی کار گزاریوں کی تفصیل سنائی۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔

سن 13 نبوت میں یثرب سے بہت سے مسلمان اور مشرک حج کے لیے آئے۔ مسلمانوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صورت تنہا نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ انھوں نے آپ سے پوشیدہ طور پر رابطہ کیا اور ایامِ تشریق کے درمیانے روز، رات کے وقت جمرۂ عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہونے کا فیصلہ کیا۔

اس سال ان کی کل تعداد تہتر تھی۔ ان میں سے 62 آدمی خزرج کے تھے اور گیارہ اوس کے۔ اس سال ان کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اِن کے پاس پہنچے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اپنے بھتیجے کے معاملے میں اپنا اطمینان چاہتے تھے، اس لیے سب سے پہلے انھوں نے بات کی۔ ان سب سے مخاطب ہو کر بولے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت سے ہیں اور حفاظت سے ہیں، اس لیے اگر آپ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ انھیں جس چیز کی طرف

بلا رہے ہیں، اسے نبھائیں گے بھی اور انھیں ان کے مخالفین سے بچائے رکھیں گے تب تو اپنے ذمے جو کام آپ نے لیا ہے، اس کو سنبھالیں ورنہ انھیں یہیں رہنے دیں۔"

یثرب کے ان حضرات نے بات کرنے کا اختیار سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں انھوں نے کہا:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں، اس لیے اے اللہ کے رسول! آپ فرمایئے، ہم سے جو عہد و پیمان لینا پسند کرتے ہیں، ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی، پھر ان سے ان باتوں پر عہد لیا:

"تم تنہا اسی (اللہ) کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے۔"

جواب میں انھوں نے کہا:

"بہت بہتر! آپ فرمائیں، ہم آپ سے کس چیز پر بیعت کریں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سُستی اور چُستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

تنگی اور خوش حالی، ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

بھلائی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے۔

اللہ کے راستے میں اٹھ کھڑے ہو گے، کوئی اس بارے میں تمھیں ملامت

کرے تو اس کی ملامت کی کوئی پروا نہیں کرو گے۔

اور جب میں تم لوگوں کے پاس آ جاؤں تو تم ہر طرح سے میری مدد کرو گے، تم اپنی اور اپنے گھر والوں کی جس طرح حفاظت کرتے ہو، اسی طرح میری حفاظت کرو گے۔ اس طرح تمھارے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔''

اس پر سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک تھام لیا اور جذبات سے لبریز انداز میں عرض کیا:

''ہاں! اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، یقیناً ہم ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہم بیعت کے لیے تیار ہیں۔''

ایسے میں ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان کچھ عہد و پیمان ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی وجہ سے ہم پر کچھ پابندیاں ہیں لیکن جب ہم آپ کا ساتھ دیں گے تو وہ سب عہد و پیمان ختم ہو جائیں گے، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ دیں اور اپنی قوم میں چلے جائیں۔''

یہ سن کر آپ مسکرا دیے اور پھر فرمایا:

''ایسی بات نہیں ہو گی بلکہ خون خون ہے اور بربادی بربادی ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تم جنگ کرو گے، اس سے میں بھی جنگ کروں گا اور جس سے تم صلح کرو گے، اس سے میں بھی صلح کروں گا۔''

عین اس لمحے عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انھوں نے کہا:

''میری بھی ایک بات سن لیں! آپ سب جانتے ہیں، آپ اللہ کے رسول ﷺ سے کس بات پر بیعت کر رہے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اس بیعت کے نتیجے میں سرخ اور سیاہ سب لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے، آپ کے مالوں کا صفایا ہو جائے گا، آپ کے شرفاء قتل کر دیے جائیں گے، اس وقت اگر آپ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ چھوڑا تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ اب ساتھ چھوڑ دیں کیونکہ اس وقت ساتھ چھوڑنا دنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی ہے اور اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مالوں کی تباہی اور اپنے شرفاء کے قتل کے باوجود آپ عہد نبھائیں گے تو پھر ضرور انھیں لے لیجیے کیونکہ اللہ کی قسم! یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔''

اس پر ان حضرات نے کہا:

''ہمارے مال تباہ ہو جائیں، ہمارے شرفاء قتل ہو جائیں، ہم اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ پھر بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اے اللہ کے رسول! آپ فرمائیے، اگر ہم اپنے عہد پر پختہ رہے تو ہمارے لیے کیا ہے؟''

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جنت''۔

اب سب نے یک زبان ہو کر کہا:

''تب پھر ہاتھ بڑھائیے؟''

آپ نے اپنا دستِ مبارک پھیلا دیا، وہ سب بیعت کے لیے لپکے، عین اس وقت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور بولے:

''اے اہلِ یثرب! ذرا ٹھہرو، میری بھی ایک بات سن لو، ہم یہ لمبا سفر کر کے

یہاں صرف اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیں لیکن آپ کا ساتھ دینے کا مطلب ہے، سارے عرب کی دشمنی مول لینا، اپنے سرداروں کو قتل کروانا اور تلواروں کی مار برداشت کرنا۔ اگر آپ یہ سب برداشت کر سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرو، پھر تم لوگوں کا اجر اللہ کے پاس ہے اور اگر تم اس بات پر پورے نہیں اتر سکتے تو آپ انھیں ابھی چھوڑ دیں۔ اس وقت کا عذر اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہوگا۔''

ان کی بات سن کر سب نے کہا:

''اسعد اپنا ہاتھ ہٹایئے! اللہ کی قسم! ہم اس بیعت کو نہ توڑ سکتے ہیں، نہ چھوڑ سکتے ہیں۔''

اب ایک ایک نے اٹھ اٹھ کر باری باری بیعت کی اور سب سے پہلے بیعت کرنے والے سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے بیعت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور ایک تیسرا قول سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ دونوں عورتوں سے بیعت زبانی طور پر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مصافحہ نہیں فرمایا۔

بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اب آپ لوگ اپنے میں سے بارہ نقیب پیش کریں۔ وہ اپنی قوم کے نگران بھی ہوں گے اور ان کے معاملات کے ذمے دار بھی ہوں گے۔''

آپ کے اس اعلان پر نو آدمی خزرج سے اور تین آدمی اوس سے نکل کر آگے آ گئے۔ آپ نے انھیں نقیب مقرر فرمایا، پھر ان سے فرمایا:

''آپ لوگ اپنی قوم کے تمام معاملات کے ذمے دار ہوں گے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ذمے دار ہوئے تھے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا ذمے دار ہوں۔''

اس پر سب نے کہا:

''جی! ٹھیک ہے۔''

یہ دوسری بیعتِ عقبہ تھی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اب تک کی زندگی کی سب سے اہم بیعت تھی۔ اس بیعت نے تاریخ کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا۔

ہجرتِ مدینہ

عقبہ کی اس بیعت کے بعد مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ میں راستے کھل گئے۔ انھیں وہاں پناہ کی جگہ مل گئی۔ ان حالات کی بنا پر نبیٔ کریم ﷺ نے مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جائیں۔ یہ اجازت ملنے کے بعد مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی۔ تاہم سب نے ایک ساتھ ہجرت نہ کی، تھوڑے تھوڑے افراد نے ہجرت کی یہاں تک کہ مکہ میں اب گنتی کے چند مسلمان رہ گئے۔ ان میں نبیٔ کریم ﷺ، ابوبکر صدیق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ قریش نے جان لیا کہ اب یہ بھی ہجرت کر جائیں گے۔

جب سے مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت شروع کی تھی، قریش فکر مند تھے۔ وہ صاف طور پر محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان اب مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان کی تجارت بھی خطرے میں ہے اور ان کا دین بھی۔ اسی مسئلے کے حل کے لیے وہ ایک صبح ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے۔ اس مجلس میں قریش کے سبھی سردار شریک تھے اور سب سے اہم بات یہ کہ ابلیس بھی ایک نجدی شیخ کے روپ میں موجود تھا۔ وہ باقاعدہ اجازت لے کر اس اجتماع میں شریک ہوا۔ سب کے سامنے اصل مسئلہ رکھا گیا۔ ان سب نے اپنی اپنی تجویز پیش کی لیکن ہر تجویز کسی نہ کسی وجہ سے رد کر دی گئی۔ آخر طاغوت کے علمبردار ابوجہل نے کہا:

''اب میری رائے سنو! ہم ہر قبیلے سے ایک ایک مضبوط اور صاحبِ نسب نوجوان لے لیتے ہیں، ہر ایک کو ایک تیز تلوار دے دیتے ہیں، پھر یہ سب نوجوان

اس شخص کی طرف جائیں جس کی وجہ سے ہم سب جمع ہوئے ہیں، پھر سب لوگ اسے یک دم تلواریں ماریں اور اسے قتل کر دیں، اس طرح اس کا خون تمام قبائل پر پھیل جائے گا۔ عبد مناف سارے قریش سے جنگ نہیں کر سکیں گے، اس لیے خون بہا لینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور خون بہا دینا ہمارے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ کیا خیال ہے اس رائے کے بارے میں؟ یہ رائے سنتے ہی شیخ نجدی، یعنی ابلیس اچھل پڑا اور تیز آواز میں بولا:

''یہ ہے زبردست ترکیب! رائے تو بس یہی سامنے آئی ہے۔''

سب لوگوں نے اس رائے سے اتفاق کر لیا اور اس کو عملی شکل دینے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ آخر تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ابو جہل کے منصوبے پر عمل کرنے کا وقت آ گیا۔

سب کے سب نوجوان رات کے وقت نبیٔ کریم ﷺ کے گھر کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے، ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ ان سب کی یہ چالبازی تھی لیکن ان کی یہ چالبازی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی چالبازی اس طرح ناکام کی کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے کہ کیا ہوا۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انھوں نے قریش کی سازش کے بارے میں آپ کو بتایا اور ہجرت کی اجازت دی، نکلنے کا وقت مقرر کیا اور قریش کے پروگرام کو ناکام بنانے کی تدبیر بھی بتا دی۔ انھوں نے کہا:

''آپ جس بستر پر سوتے ہیں، آج کی رات اس پر نہ سوئیں۔''

اس رات آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا، ساتھ ہی آپ نے

ان سے فرمایا:

”فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

انھیں اپنے بستر پر لٹانے کے بعد آپ گھر سے نکلے۔ قریش کے نوجوان گھیرا ڈالے کھڑے تھے کہ جونھی آپ گھر سے نکلیں گے، سب مل کر آپ پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اندھا کر دیا۔ وہ آپ کو باہر نکلتے دیکھ ہی نہ سکے۔ آپ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے، ان کے سروں کی طرف ایک مٹھی مٹی کی پھینکی:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾

”اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی، اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، پھر ہم نے ان کی آنکھیں ڈھانک دی ہیں، لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے۔“ (یٰسٓ 9:36)

آپ اپنے گھر سے نکل کر سیدھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ ان کے دروازے پر دستک دی اور گھر میں داخل ہو گئے۔ وہ پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ انھوں نے گھر میں موجود ساری نقدی اور ستو وغیرہ ساتھ لیے اور باہر نکل آئے۔ آپ نے احتیاط یہ کی کہ ایک کھڑکی کے ذریعے سے باہر آئے۔ اب ان دونوں حضرات نے مکہ مکرمہ سے یمن کا رخ کیا، صبح کی سفیدی نمودار ہونے سے پہلے ثور نامی ایک پہاڑ کے غار تک پہنچ گئے۔

جبلِ ثور حرم سے ساڑھے چار کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہ حرم کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس پہاڑ میں ایک تنگ غار ہے، یہ غار اب بھی موجود ہے اور غارِ

ثور کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ شمال کی جانب ہے، چنانچہ قریش نے اندازہ کیا کہ آپ اپنا سفر شمال ہی کی طرف شروع کریں گے جب کہ آپ نے مخالف سمت اپنا سفر شروع کیا اور غارِ ثور میں تشریف لے آئے۔ اب چونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اور دونوں حضرات نے تین دن غار میں گزارے، اس لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یارِ غار کہا جاتا ہے۔

تین دن اور تین راتیں اس غار میں آپ دونوں نے اس طرح گزاریں کہ سیدہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما رات کے وقت خفیہ طور پر کھانا دے جاتی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ دشمن کی سرگرمیوں کی خبریں پہنچاتے رہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو ان بکریوں کو لے کر ان کے پاس آ جاتے۔ اس طرح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیر ہو کر دودھ پی لیتے۔ صبح سویرے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں وہاں سے لے آتے۔ اس میں یہ ترکیب اختیار کی جاتی کہ بکریوں کی وجہ سے سیدنا عبداللہ، سیدہ اسماء اور خود عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کے قدموں کے نشانات مٹ جاتے۔

ادھر قریش جب انتظار کرتے کرتے تھک گئے اور آپ باہر نکلتے نظر نہ آئے تو انھیں غصے نے آ لیا۔ آخر صبح ہوئی اور آپ کے بستر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھتے نظر آئے تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے فوراً جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ اس پر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کو مارا اور کھینچ کر خانہ کعبہ میں لے گئے۔ جب ان سے کسی طرح بھی کچھ معلوم نہ ہوا تو خود ہی اندازہ لگا کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، دستک دی تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا باہر آئیں۔ ابوجہل نے ان سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بھی جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ اس پر ابوجہل کو بہت غصہ آیا۔ اس بدبخت نے ایک زوردار تھپڑ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر مارا، ان کے کان کی بالی گر گئی لیکن ان سے معلوم کچھ نہ کر سکے، آخرِ تنگ آ کر خود تلاش میں نکلے۔ ساتھ ہی قریش نے اعلان کرایا کہ جو شخص ان دونوں کو زندہ یا مردہ حاضر کرے گا، اسے ہر ایک کے بدلے ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔

اس طرح کچھ لوگ تلاش کرتے غار تک بھی آ گئے، وہ غار کے اس قدر نزدیک آ گئے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی جھک کر دیکھ لیتا تو اسے یہ دونوں حضرات نظر آ جاتے۔ اس صورتِ حال نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فکرمند کر دیا۔ انھیں پریشان دیکھ کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہو۔''

پیر کی چاندرات (ربیع الاول سن 1 ھ) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور سے باہر تشریف لائے۔ ان راستوں کے بارے میں بخوبی جاننے والا ایک شخص عبداللہ بن اریقط آپ دونوں کے ساتھ تھا۔ راستہ بتانے کے لیے اس کی خدمات اجرت پر حاصل کی گئی تھیں۔ یہ شخص اگرچہ مسلمان نہیں تھا لیکن قابلِ اعتماد تھا۔ جو معاہدہ کر لیتا، اس پر پورا اترتا تھا، دھوکا نہیں دیتا تھا، اسی لیے اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ وعدے کے مطابق وہ دو سواریاں لے کر جبلِ ثور کے دامن میں پہنچ گیا تھا۔ اس

طرح آپ نے اس جگہ سے کوچ فرمایا۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔ عبداللہ بن اریقط نے پہلے یمن کا راستہ اختیار کیا، یہ جنوبی سمت تھی، اس سمت میں اس نے کافی فاصلہ طے کیا، پھر پیچھے کی طرف مڑا۔ اب اس کا رخ ساحلِ سمندر کی طرف تھا۔ ساحل پر پہنچنے کے بعد وہ شمال کی طرف چل پڑا۔ اس طرح وہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ایک ایسے راستے پر لے آیا جس سے عام لوگ واقف نہیں تھے اور مشکل ہی کوئی اس راستے پر آتا تھا۔

آپ دوسرے دن اِم معبد کے خیمے کے پاس سے گزرے، دوسرے دن کے علاوہ بھی روایات آئی ہیں۔ اِم معبد کا خیمہ قدید کے اطراف میں مُشَلَّل کے پاس واقع تھا۔ مشلل مکہ سے 130 کلومیٹر دور ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِم معبد کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ اس وقت اپنے خیمے میں تنہا تھیں۔ آپ نے فرمایا:

''کھانے کو کچھ ہے؟''

انھوں نے نفی میں سر ہلا دیا اور بولیں:

''بکریاں چرنے گئی ہوئی ہیں اور ہیں بھی یہاں سے بہت دور، گھر میں کوئی اور چیز بھی نہیں ہے۔''

اس کا جواب سن کر آپ نے خیمے میں نظر دوڑائی۔ وہاں ایک مریل سی بکری نظر آئی، کمزوری کی وجہ سے اسے ریوڑ کے ساتھ نہیں لے جایا گیا تھا۔ آپ نے اِم معبد سے فرمایا:

''کیا میں اس بکری کا دودھ دوہ سکتا ہوں؟''

جواب میں وہ بولیں:

''اس میں تو دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''کوئی بات نہیں، آپ اجازت دے دیں۔''

اس نے حیرت زدہ انداز میں اجازت دے دی۔ آپ نے اس کا دودھ دوہنا شروع کیا تو ایک بڑا برتن بھر گیا۔ وہ برتن اتنا بڑا تھا کہ کئی آدمی مل کر مشکل سے اسے اٹھا سکتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے امِ معبد کو دودھ پلایا، وہ سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا، جب وہ بھی سیر ہو گئے، تب آپ نے خود پیا۔ اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا اور برتن بھر کر امِ معبد کے پاس چھوڑا۔ اس کے بعد آپ وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔

جب امِ معبد کا شوہر گھر آیا تو اتنا بہت سا دودھ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے پوچھنے پر امِ معبد نے ساری بات بتائی۔ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کا حلیہ مبارک بھی بیان کیا۔ یہ حلیہ سر سے لے کر پاؤں تک بیان کیا گیا تھا، نہایت تفصیل سے ایک ایک عضو کا حال انھوں نے بیان کیا۔

امِ معبد کے شوہر ابو معبد یہ حلیہ سن کر بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! یہ تو پھر صاحبِ قریش تھے۔ میرا دل کرتا ہے کہ آپ کا ساتھ اختیار کروں اور اگر کوئی موقع ملا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔''

نبیٔ کریم ﷺ قدید سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم آپ کے تعاقب میں بالکل پیچھے پہنچ گئے۔ وہ قریش کا اعلان سن کر آپ کی تلاش میں نکلے تھے تا کہ سو اونٹ حاصل کر سکیں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ان کا گھوڑا

جب بالکل نزدیک پہنچ گیا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے آگرے۔ آگے بڑھنے سے پہلے انھوں نے فال کے تیر دیکھے۔ اس زمانے میں یہ طریقہ تھا۔ کوئی کام کرنے سے پہلے فال کے تیر دیکھتے تھے۔ اگر تیر پسندیدہ ہوتے تو وہ کام کرتے ورنہ رک جاتے۔ سراقہ کا بھی ناپسندیدہ تیر نکلا لیکن انھوں نے بُری فال کی پروانہ کی، گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے، آپ اس وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ وہ اتنے نزدیک پہنچ گئے کہ تلاوت سنائی دینے لگی۔ آپ نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا تھا جب کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گویا فکرمند تھے۔ اچانک ان کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے۔ سراقہ الٹ کر نیچے گرے۔ انھوں نے اتر کر گھوڑے کو نکالنے کی کوشش کی۔ بہت کوشش کے بعد گھوڑے کے پاؤں نکل سکے۔ جب گھوڑا سیدھا ہوا تو اس کے پاؤں کے پاس سے دھوئیں جیسا غبار اٹھتا نظر آیا۔ ایک بار پھر سراقہ نے فال کے تیر نکالے۔ اس بار بھی ناپسندیدہ تیر نکلا۔

اب تو وہ خوف زدہ ہو گئے، ان پر رعب کی حالت طاری ہو گئی۔ اب انھوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ کر رہیں گے، چنانچہ انھوں نے کہا:

''آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں اب آپ کا رخ نہیں کروں گا، یہیں سے واپس لوٹ جاؤں گا۔''

ان کی بات سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی رک گئے۔ سراقہ نزدیک آگئے۔ انھوں نے قریش کے اعلان کے بارے میں بتایا۔ خود اپنے بارے میں بھی بتایا کہ سو اونٹوں کا لالچ انھیں یہاں تک لے آیا ہے۔ پھر انھوں نے کہا:

”آپ کو زادِراہ کی ضرورت ہو تو پیش کروں؟“

آپ نے انکار کیا اور فرمایا:

”بس تم اتنا کرو کہ ہمارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا۔“

انھوں نے کہا: ”ٹھیک ہے آپ مجھے امن کا پروانہ لکھ دیں۔“

آپ نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیا۔ اس طرح سراقہ اس جگہ سے واپس روانہ ہوئے، راستے میں کوئی انھیں آپ کی تلاش میں آتا نظر آتا تو یہ دور ہی سے پکار اٹھتے:

”میں اس طرف دور تک دیکھ آیا ہوں۔ اس طرف جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

انھیں جو بھی راستے میں ملا۔ اس طرح واپس کرتے چلے گئے۔ سراقہ کے علاوہ راستے میں آپ تک بریدہ اسلمی بھی پہنچے لیکن ان کا معاملہ یہ ہوا کہ آپ پر نظر پڑتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ انعام کے لالچ میں آئے تھے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر آدمی بھی تھے۔ وہ بھی سب کے سب ان کے ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد انھوں نے اپنی پگڑی نیزے کے ساتھ باندھ لی اور اس کا سفید پھریرا لہراتے ہوئے آگے پہنچے۔ یہ سفید پھریرا گویا اعلان تھا کہ امن اور صلح کی حمایت کرنے والے، دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دینے والے تشریف لا رہے ہیں۔

آپ کا سفر جاری رہا، یہاں تک کہ آپ وادئ ریم میں پہنچے۔ اس مقام پر آپ کی ملاقات سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ یہ مسلمانوں کے ایک قافلے کے ساتھ ملکِ شام سے واپس آرہے تھے۔ انھوں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

سفید کپڑے پیش کیے۔

سوموار 8 ربیع الاول سن 14 نبوت، یعنی سن 1 ہجری کو رسول اللہ ﷺ قبا پہنچے۔ مدینہ منورہ کے لوگوں نے جب سے آپ کی روانگی کی خبر سنی تھی، ہر روز صبح سویرے مدینہ سے باہر نکل کر حرہ تک آ جاتے تھے تاکہ آپ کا استقبال کر سکیں لیکن جب دوپہر ہو جاتی تو مایوس ہو کر لوٹ جاتے۔ اس طرح اس روز بھی وہ انتظار کرتے رہے تھے اور بہت دیر کے انتظار کے بعد واپس اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ ایسے میں ایک یہودی کچھ دیکھنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اچانک اس نے اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو آتے دیکھا۔ سب لوگ چونکہ سفید لباس میں تھے، اس لیے دھوپ میں اسے پرنور نظر آئے۔ وہ پکار اٹھا:

''عرب کے لوگو! یہ رہا تمھارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔''

اس کی آواز سنتے ہی مسلمان ہتھیار اٹھا کر آپ کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور تیزی سے اس طرف بڑھے جس طرف سے آپ تشریف لا رہے تھے۔ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر نظر پڑتے ہی مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ایک شور سا گونجا۔ مسلمانوں نے حرہ ہی کے مقام پر آپ سے ملاقات کی۔ پھر آپ دائیں طرف مڑ گئے اور قبا میں ''بنی عمرو بن عوف'' میں قیام فرمایا۔

اب مسلمان آپ سے مصافحے کے لیے آگے بڑھے تو ہوا کیا۔ ان لوگوں نے چونکہ آپ کو دیکھا نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمان کیا کہ یہی اللہ کے رسول ہیں۔ اب جو آگے آتا پہلے ان سے مصافحہ کرتا۔ ایسا اس لیے بھی ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بالوں میں سفیدی آ چکی تھی لیکن پھر

جب نبیٔ کریم ﷺ پر دھوپ آ گئی۔ تب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کر دیا۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول یہ ہیں۔

نبی ﷺ نے قبا میں کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے قیام سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر فرمایا۔

آپ قبا میں چار دن ٹھہرے۔ اس دوران میں آپ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی ادا فرمائی۔ مسجدِ قبا کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے:

''جو شخص گھر سے پاک صاف ہو کر نکلا اور اس مسجد میں داخل ہو کر 2 رکعت نماز پڑھی، اسے عمرے کا ثواب ملے گا۔''

ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے ہجرت کر جانے کے بعد تین دن تک مکہ معظّمہ میں ٹھہرے رہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس لوگوں کی امانتیں موجود تھیں۔ رخصتی سے پہلے آپ نے وہ امانتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھیں۔ ان تین دنوں میں انھوں نے وہ امانتیں واپس کیں، پھر پیدل مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور قبا میں آپ ﷺ سے آ ملے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں ٹھہرے۔

چار دن کے قیام کے بعد نبیٔ کریم ﷺ پانچویں دن قبا سے مدینہ منورہ کی طرف اللہ کے حکم سے روانہ ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار ہوئے۔ حفاظت کے پیش نظر آپ نے اپنے ننھیال بنونجار کو پیغام بھجوایا۔ وہ لوگ تلواریں لٹکائے حاضر ہو گئے اور آپ کے دائیں بائیں ہو کر چلے۔ اس طرح آپ بنی سالم کی بستی میں پہنچے۔ اس وقت جمعے کا وقت ہو چلا تھا۔ آپ نے وہیں وادی کے بطن میں جمعے کی نماز پڑھائی۔ اس نماز میں سو آدمی شریک ہوئے۔

جمعہ پڑھانے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا رخ فرمایا۔ لوگ آپ کے استقبال کے لیے امڈ پڑے۔ تمام گھرانے، گلی کوچے اور بازار اللہ کی حمد وثنا سے گونج اٹھے۔ عورتیں، بچے اور بچیاں باہر نکل کر یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

''ہم پر مدینہ کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے (نبی)! آپ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ جہاں جہاں سے گزرتے رہے، لوگ آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر درخواست کرتے رہے کہ ان کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ نے ہر ایک کے جواب میں یہ فرمایا:

''اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔'' مطلب یہ کہ جہاں اللہ کا حکم ہوگا، یہ خود رکے گی۔

اونٹنی وہاں جا کر رکی جہاں آج مسجدِ نبوی ہے۔ وہ وہاں بیٹھ گئی۔ آپ اس سے نیچے نہیں اترے۔ اونٹنی خود ہی اٹھی، تھوڑی دور گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور پہلی جگہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ اب آپ اس پر سے اتر آئے۔ لوگوں نے پھر آپ کو اپنے اپنے گھر لے جانے کی خواہش کا اظہار شروع کیا۔ ایسے میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آپ کی اونٹنی پر سے کجاوہ

اٹھالیا اور اپنے گھر کے اندر لے گئے، اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

''آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔''

سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی، اس لیے وہ ان کے ہاں ٹھہری۔ گویا وہ آپ کی اونٹنی کے میزبان بنے اور رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی میزبانی سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔

جب آپ مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہو گئے تو آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔

وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی دونوں بیٹیوں سیدہ امِ کلثوم اور سیدہ فاطمہ، ام المومنین سیدہ سودہ، امِ ایمن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو ساتھ لائے۔ ان کے ساتھ ہی عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ عنہما بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو، یعنی امِ رومان، سیدہ عائشہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہن کو لے آئے۔

ہجرت کے بعد کی زندگی

ہجرت کے بعد کے عہد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور صلح حدیبیہ تک کا دور ہے، دوسرا فتح مکہ تک کا دور ہے اور تیسرا دور وہ ہے جب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ دور آپ کی مبارک زندگی، یعنی ربیع الاول 11 ھ تک ہے۔

مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ جس جگہ آپ کی اونٹنی خود بخود بیٹھی تھی، اس جگہ پر مسجد بنانے کا فیصلہ ہوا۔ وہ جگہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان کے نام سہل اور سہیل تھے، چنانچہ آپ نے بنو نجار کے بزرگوں کو بلا بھیجا۔ وہ آ گئے تو آپ نے بلانے کی وجہ بتائی۔ انھوں نے زمین ہبہ کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے اس طرح زمین لینے سے انکار کر دیا۔ آخر قیمت طے ہو گئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت ادا کی۔ کیا قسمت ہے ان کی! زمین پر جو درخت تھے، ان کو اکھڑوا دیا گیا، قبروں کو برابر کر دیا گیا۔ اس طرح مسجد تعمیر کی گئی۔ آج یہ مسجد دنیائے اسلام میں مسجدِ نبوی کہلاتی ہے۔

آپ نے مسجد کے بازو میں چند حجرے بھی بنوائے، ان حجروں کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں، چھتیں کھجور کے تنوں کی تھیں۔ ان کے اوپر پتے بچھائے گئے تھے۔ یہی آپ کی ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ حجرے تعمیر ہو گئے تو آپ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے وہاں منتقل ہو گئے۔

مسجد نبوی صرف ایک مسجد ہی نہیں تھی بلکہ ایک پوری یونیورسٹی تھی۔ وہاں مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپس کے معاملات وہاں طے ہوتے تھے، فیصلے کیے جاتے تھے۔ یہ مسجد ایک ایسا مرکز بھی تھی جہاں سے اس اسلامی ریاست کا نظام چلایا جا رہا تھا۔ غزوات کے لیے یہیں سے فوج بھیجی جاتی تھی۔ مجلسِ انتظامیہ کے اجلاس ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ صدیوں پرانے دشمن جن کی آپس کی لڑائیاں ختم ہی نہیں ہوتی تھیں، اب آپس میں پیار و محبت سے ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے۔ اس نفرت اور دشمنی کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا تھا جو ان میں رچ بس گئی تھی اور نکالے نہیں نکلتی تھی۔ اسلام نے یہ کام کر دکھایا تھا۔

مسجدِ نبوی فقراء اور مہاجرین کا ٹھکانہ بھی تھی۔ جن کے پاس رہنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی، وہ وہاں رہتے تھے۔ ایسے لوگوں کو اصحابِ صفّہ کہا گیا۔

پھر ہجرت کے شروع ہی سے اذان کا سلسلہ شروع ہوا۔ پانچ مرتبہ اذان گونجنے لگی۔ اذان کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سیدنا عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی۔ انھوں نے آ کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے سن کر فرمایا: یہ خواب سچا ہے۔ پھر انھیں حکم دیا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے الفاظ سکھائیں۔ جب انھوں نے الفاظ سیکھ لیے تو آپ نے انھیں اذان دینے کا حکم دیا۔ اس طرح پہلی اذان دی گئی۔ جونہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز گونجی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر سنبھالتے ہوئے آئے اور بولے:

”اے اللہ کے رسول! میں نے بھی خواب میں اسی طرح کے الفاظ سنے ہیں۔“

اس خواب کی اور زیادہ تائید ہوگئی۔ اسی دن سے آج تک یہ اذان اسلام کا

شعار ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو کر آپ کو ان مہاجرین کی فکر ہوئی جو مکہ معظّمہ میں اپنا گھر بار اور سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے۔ اس کے حل کے لیے آپ نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو اخوت کے رشتے میں جکڑ دیا۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اس کے لیے آپ نے انصار کو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع فرمایا۔ آپ مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک کو بلاتے گئے اور فرماتے گئے:

''تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔''

اور پھر دنیا نے دیکھا، یہ بھائی چارہ حقیقی اخوت سے بھی بڑھ کر ثابت ہوا۔ انصار نے اس موقعے پر جس ایثار کا مظاہرہ کیا، دنیا کی کوئی قوم، کوئی مذہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انصار نے انھیں سگے بھائیوں سے بڑھ کر چاہا۔ اپنا سب کچھ ان پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھیں اپنی جائیداد میں، کاروبار میں برابر کا حصہ دار بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔

یہ ان کی محبت ہی تھی کہ انھوں نے اپنے کھجوروں کے باغات تک پیش کر دیے اور عرض کیا کہ آپ ان باغات کو ہم میں اور مہاجرین میں تقسیم فرما دیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کیا تو انھوں نے تجویز پیش کی:

''اچھا! آپ لوگ، یعنی مہاجرین کام کر دیا کریں، ہم پھلوں میں آپ لوگوں کو شریک کر لیں گے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی یہ تجویز منظور فرمائی۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بہت مال دار

انصاری تھے۔ ان کا بھائی سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا تھا، انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میری ہر چیز آپ آدھی آدھی لے لیں، یہاں تک کہ میری دو بیویاں ہیں، انھیں دیکھ لو، ان میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزر جانے پر آپ اس سے شادی کر لیجیے گا۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

''اللہ آپ کے مال اور اولاد میں برکت دے، مجھے تو بس آپ بتا دیں کہ بازار کس طرف ہے۔'' انھوں نے بازار کا راستہ بتا دیا۔ شام کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کچھ کما کر لے آئے۔ پھر جلد ہی انھوں نے کافی مال کما لیا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کر لی اور اس کے بعد تو ان کا شمار بہت دولت مندوں میں ہوا۔

اب مدینہ منورہ میں صرف مسلمان ہی آباد نہیں تھے۔ ان کے علاوہ دو قومیں اور تھیں۔ یہ دو قومیں مشرکین اور یہود تھے۔ آپ نے ایک عہد و پیمان کرایا جو مسلمانوں کے درمیان تھا۔ دوسرا عہد و پیمان مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کرایا، نیز مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بھی عہد کرایا۔ اس بارے میں ایک تحریر لکھی گئی۔ گویا یہ ایک تحریری معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کے خاص نکات یہ تھے:

- قریش اور یثرب کے مسلمان اور ان کے ماتحت ہو کر ساتھ ملنے والے اور جہاد کرنے والے باقی لوگوں سے ایک الگ قوم ہیں۔
- ان کی دیت کی ادائیگی اور قیدی کی رہائی اہلِ ایمان کے درمیان حسبِ سابق ہوگی اور یہ فدیہ اور دیت میں اہلِ ایمان کی مدد کریں گے۔

- اور یہ لوگ فساد پھیلانے والوں، ظالموں اور باغیوں کے خلاف ایک آواز اور ایک ہاتھ بن کر اٹھیں گے، خواہ وہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔
- کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔
- اللہ کا ذمہ ایک ہے، لہٰذا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔
- جو یہودی مسلمانوں کے پیروکار ہو جائیں، ان کی مدد کی جائے گی، ان کے حقوق دوسروں جیسے ہوں گے۔
- مسلمانوں کی صلح ایک سمجھی جائے گی۔
- جو کسی مومن کو قتل کر دے، اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اس صورت میں قصاص نہیں لیا جائے گا کہ مقتول کے والی راضی ہوں۔ اور اہل ایمان پر ضروری ہے کہ سب کے سب قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔
- کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا مہیا کرے۔
- ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹائیں، یعنی ان سے فیصلہ لیں۔

ان نکات کے علاوہ نبیٔ اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر اسلامی اخوت کے حقوق بھی بیان فرمائے۔ آپس میں اتحاد، محبت اور غم گساری کی تلقین کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اخوت عظیم ترین اخوت ثابت ہوئی۔

مشرکین کا معاملہ اور تھا۔ ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے زیادہ تر سردار بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ باقی جو رہ گئے تھے، ان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ ان سے بھی آپ نے معاہدہ کیا۔ اس میں طے کیا کہ کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو پناہ نہیں دے گا اور اگر کسی مومن کو حفاظت کا مسئلہ درپیش ہوا تو وہ رکاوٹ نہیں بنے گا۔

اس عہد و پیمان کے بعد ان کی طرف سے بے فکری ہو گئی۔ رہ گئے یہود، ان کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا، اس کے خاص نکات یہ ہیں:

- یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔ ان کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہوگا، ان کے ذمے ان کا خرچ ہوگا اور مسلمانوں کے ذمے مسلمانوں کا۔
- اس معاہدے کے کسی فریق سے اگر کوئی قوم جنگ کرے گی یا یثرب پر حملہ کرے گی تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ ہر کوئی اپنی طرف کا دفاع کرے گا۔
- اس معاہدے کے شرکا کے درمیان روا داری، خیر خواہی اور نیکو کاری کے تعلقات ہوں گے نہ کہ گناہ کے۔
- کوئی شخص اپنے حلیف کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔
- مظلوم کی مدد کی جائے گی۔
- جب تک جنگ جاری رہے گی، اس وقت تک یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

- اس معاہدے میں شریک لوگوں کے لیے یثرب میں قتل اور ہنگامہ آرائی حرام ہوگی۔
- ان کے درمیان اگر کوئی جھگڑا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کریں گے۔
- قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔
- یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کا معاون نہیں ہوگا۔

اس قرار داد کا نتیجہ یہ نکلا کہ یثرب کے سارے باشندے مسلمان، یہودی اور مشرک ایک لڑی میں آ گئے، مدینہ اور اس کے اطراف میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت کا قیام عمل میں آ گیا۔ اس ریاست میں مسلمانوں کا حکم نافذ ہو گیا اور اس کے سربراہ محمد ﷺ تھے۔

غزوات کا آغاز

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے کے کوئی سولہ یا سترہ ماہ تک مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے آ رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ اسی سال روزے رکھنے اور زکاۃ ادا کرنے کے احکام نازل ہوئے، پھر عیدین کی نماز اور صدقۃ الفطر کا حکم آ گیا۔ اسی سال مسلمانوں نے عید الفطر کی پہلی نماز ادا کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی بھی اسی سال ہوئی اور ان سب باتوں سے اہم بات یہ کہ اسی سال اللہ نے جہاد کا حکم نازل فرمایا۔ مسلمانوں کو اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت ملی کیونکہ مکہ میں صرف تبلیغ کا حکم تھا، تلوار اٹھانے کا حکم نہیں تھا۔ اس طرح غزوات کا آغاز ہوا۔ غزوات کے ساتھ کچھ سریّے بھی ہوئے۔

جن جنگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت نہیں کی بلکہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا، ان کو سریّے کہتے ہیں۔ جن جنگوں میں خود آپ نے قیادت کی، وہ غزوات کہلائے۔ اسلام کی تاریخ میں غزوات کی تعداد 21 تا 27 بتائی جاتی ہے اور سریّوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سال کے دوران میں کئی غزوات ہوئے لیکن ان میں سب سے اہم غزوۂ بدر ہے کیونکہ اس غزوے نے اسلامی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک بااثر آدمی عبداللہ بن ابی تھا۔ انصار میں اس کا بہت اثر رسوخ تھا۔ انصار اسے اپنا

سردار بنانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا تاکہ اس کی تاج پوشی کی جا سکے۔ اسی دوران میں نبیٔ کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ انصار کے دونوں قبیلوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، پھر میثاقِ مدینہ ہوا تو اس کے تحت یہودیوں نے بھی آپ کی قیادت کو مان لیا۔ اس طرح عبداللہ بن ابی کی سرداری دھری کی دھری رہ گئی، اسی بنا پر اس نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ مشرکینِ مکہ پہلے ہی آپ سے دشمنی میں سب سے بڑھ کر تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو ایک دھمکی آمیز خط تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے صاف صاف الفاظ میں لکھا:

''آپ لوگوں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے رکھی ہے، یا تو آپ انھیں مدینہ منورہ سے نکال دیں یا ان سے جنگ کریں ورنہ اللہ کی قسم! ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ آور ہوں گے اور آپ کے تمام مردوں کو قتل اور عورتوں کو بے آبرو کر دیں گے۔''

یہ خط عبداللہ بن ابی کو ملا تو اس نے اپنے تمام بت پرست ساتھیوں کو جمع کیا، خط انھیں سنایا۔ سب نے مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا فیصلہ کیا۔ جب آپ کو ان کے ارادے کا پتا چلا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''تم لوگ قریش کی دھمکی سے ڈر گئے، ان کی باتوں میں آ گئے۔ اس طرح تم خود کو اتنا نقصان پہنچاؤ گے کہ قریش مل کر بھی تمھیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تم نے سوچا ہے، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟''

آپ کی بات سن کر ان کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ انھوں نے جنگ کا ارادہ چھوڑ دیا

اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ عبداللہ بن ابی بھی اس وقت جنگ کے ارادے سے باز آ گیا کیونکہ اس کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے لیکن اس نے اپنے تعلقات قریش کے ساتھ برابر قائم رکھے، ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کو لڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے گا اور اسی خیال سے اس نے یہودیوں سے بھی اپنے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملیوں نے اس کی پیش نہ جانے دی۔

ادھر مکہ کے مشرک سخت پریشان تھے۔ مسلمانوں کی کامیابیاں انھیں سکھ کا سانس نہیں لینے دے رہی تھیں، بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ حسد انھیں جلائے دے رہا تھا اور وہ سب مدینہ منورہ پر چڑھائی کے بہانے تلاش کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ برا حال ابوجہل اور ابوسفیان کا تھا اور ایسی ہی حالت مدینہ منورہ میں عبداللہ بن ابی کی تھی۔ وہ برابر قریش کو شہ دے رہا تھا، انھیں یقین دلا رہا تھا کہ اگر انھوں نے مدینہ منورہ پر دھاوا بولا تو یہودی ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمان خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے راتوں کو جاگ کر مدینہ منورہ کی حفاظت کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں آپ نے دو تدبیریں کیں۔ ایک یہ کہ قریش کی شام کی تجارت بند کر دی جائے، یعنی تجارت کے لیے شام نہ جانے دیا جائے تاکہ وہ مجبور ہو جائیں اور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا خیال دل سے نکال دیں، اور دوسری یہ کہ مدینہ منورہ کے آس پاس کے قبیلوں سے امن کے معاہدے کیے جائیں تاکہ قریش جنگ پر تل جائیں تو ان لوگوں کو غیر جانبدار رکھا جا سکے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرما دیا تب آپ نے کئی سرایا بھیجے۔ خود

بھی جنگوں میں حصہ لیا۔ اس سلسلے میں جو سریہ سب سے پہلے بھیجا، وہ سریۂ سیف البحر کہلاتا ہے، یہ آپ نے رمضان 1 ہجری میں بھیجا۔ اس لشکر کی قیادت آپ نے اپنے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ لشکر میں کل تیس مہاجرین تھے۔ یہ لوگ ''عیص'' کے اطراف میں بحیرۂ احمر کے ساحل تک گئے۔ قریش کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا۔ قافلے کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا اس قافلے سے سامنا ہوا۔ دونوں فریقوں نے صفیں باندھ لیں۔ اس سے پہلے کہ جنگ چھڑ جاتی، ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی کی کوشش سے لڑائی ٹل گئی۔ دونوں فریق واپس چلے گئے۔

مسلمانوں کے اس لشکر کا جھنڈا سفید تھا اور یہ پہلا لشکر تھا جو بھیجا گیا تھا۔ جھنڈا ابومرثد کنانہ بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا۔ اس سریے کے بعد تو پھر متواتر سریے بھیجے گئے۔ شوال میں ابوعبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ بطنِ رابغ میں بھیجا گیا۔ اس لشکر کا سامنا وہاں کافروں کے لشکر سے ہوا۔ لشکرِ کفار کی قیادت ابوسفیان کر رہے تھے۔ لشکر کی تعداد دو سو تھی۔ دونوں طرف سے تیر برسائے گئے لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

اس کے بعد ذی قعدہ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب ''خرّار'' کی طرف بھیجا گیا لیکن ان سے بھی کسی کا آمنا سامنا نہ ہو سکا۔

صفر 2 ہجری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ستر مہاجرین کو لے کر نکلے اور ''ابواء'' یا ''ودّان'' پہنچے لیکن کوئی سامنے نہ آیا، البتہ اتنا ہوا کہ اس سفر میں عمرو بن مخشی

الضمری کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو گیا اور یہ پہلی مہم تھی جس میں اللہ کے رسول ﷺ بذاتِ خود نکلے تھے۔ ربیع الاول سن 2 ہجری میں آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ ''بواط'' تک پہنچے لیکن اس طرف بھی کسی سے سامنا نہیں ہوا۔

ایک واقعہ اس مہینے میں یہ ہوا کہ کُرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ نبیٔ کریم ﷺ ستر مہاجرین کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، اگرچہ آپ بدر کے اطراف میں سفوان تک تشریف لے گئے تھے۔ اس واقعے کو غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیۃ 2 ہجری میں نبیٔ اکرم ﷺ نے دو سو پچاس مہاجرین کو ساتھ لیا۔ ایک روایت کے مطابق تعداد ایک سو پچاس تھی۔ آپ ان کے ساتھ ذُو الْعُشَیْرہ تک قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے ارادے سے تشریف لے گئے جو ملک شام جا رہا تھا لیکن وہ آپ کے وہاں پہنچنے سے چند دن پہلے ہی اس مقام سے گزر چکا تھا۔ اس سفر کی خاص بات یہ ہے کہ آپ نے بنو مدلج سے امن کا معاہدہ کیا۔

رجب سن 2 ہجری میں آپ نے عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کے ساتھ نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ آپ نے اس مختصر سی جماعت کو قریش کے ایک قافلے کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا لیکن ہوا یہ کہ ان حضرات نے اس قافلے پر حملہ کر دیا اور ان کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قیدی کر لیا، باقی قافلے کو ہانک کر لے آئے۔ ان کی اس کارروائی پر

نبیٔ کریم ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا اور مقتول کا خون بہا ادا کیا۔ یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا، اسی لیے مشرکین نے شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔'' (البقرة 2:217)

اس جنگی نقل و حرکت کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اندازہ ہو جائے کہ مسلمان اب پہلے کی طرح کمزور نہیں رہے۔ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اسی جنگی نقل و حرکت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا۔ اس طرح امن کی بحالی میں بھی مدد ملی، قریش البتہ اپنی خودسری سے باز نہ آئے، لہٰذا انھیں اپنے کیے کی سزا بدر کے میدان میں مل کر رہی۔

غزوۂ بدر

مسلمانوں اور قریش کے درمیان یہ پہلی فیصلہ کن اور اہم ترین جنگ تھی۔ اس جنگ کے اثرات بہت گہرے مرتب ہوئے۔ جنگ کا سبب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ جس قافلے کے لیے ذُو الْعُشَیْرَہ تک گئے تھے اور وہ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی شام کی طرف چلا گیا تھا، آپ اسی وقت سے اس کی تاک میں تھے اور اس کی واپسی کا انتظار فرما رہے تھے۔ اس کی ٹوہ میں رہنے کے لیے آپ نے دو آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔ یہ دونوں شام کے مقام حوراء تک چلے گئے تھے۔ جونھی قافلہ وہاں سے گزرا، انھوں نے مدینہ منورہ میں خبر پہنچا دی۔ خبر ملتے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو نکلنے کا حکم دے دیا لیکن یہ حکم سب کے لیے ضروری قرار نہ دیا، یعنی اپنی مرضی سے جو اصحاب نکلنا چاہیں، نکل چلیں۔ اس طرح اس دعوت پر 313 آدمیوں نے لبیک کہا۔ بعض روایات میں تعداد 314 اور 317 بھی آئی ہے لیکن مشہور عدد 313 ہی ہے۔ ان میں 82 یا 83 یا 86 مہاجرین تھے، 61 قبیلہ اوس کے تھے اور 170 قبیلہ خزرج کے۔ یہ حضرات مکمل طور پر تیاری بھی نہ کر سکے۔ اتنا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ سواری کے لیے صرف دو گھوڑے اور 70 اونٹ تھے۔ 8 رمضان یا پھر 12 رمضان 2 ہجری کو اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ سے نکلے۔ آپ کی منزل بدر کا میدان تھی۔ بدر کا میدان مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ میدان بلند پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا زیادہ حصہ ریت والا ہے۔ یہاں سے سمندر دس

میل کے فاصلے پر ہے۔ بدر کے میدان میں پانی کا ایک چشمہ ہے اور ارد گرد باغات ہیں۔

قریش کے قافلے میں ایک ہزار اونٹ تھے۔ ان پر کم از کم پچاس ہزار دینار کا مال لدا ہوا تھا۔ قافلے کے سالار ابوسفیان تھے اور ان کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان بہت ہوشیار اور محتاط آدمی تھے۔ آنے جانے والوں پر نظر رکھتے تھے۔ ابھی قافلہ بدر سے کافی دور تھا کہ انھیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان اس قافلے کی طرف نکل پڑے ہیں۔ جونہی انھیں یہ اطلاع ملی، انھوں نے فوراً قافلے کا رخ بدل دیا۔ قافلہ اب ساحل کی طرف چل پڑا۔ اس طرح انھوں نے بدر کا راستہ بالکل چھوڑ دیا۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک آدمی کو اجرت دے کر مکہ بھیج دیا۔ اس آدمی کو انھوں نے تاکید کی کہ وہ جلد از جلد مکہ پہنچ جائے اور قریش کو بتا دے کہ مسلمان ان کے قافلے کی طرف نکل پڑے ہیں۔ یہ شخص بہت تیز رفتاری سے سفر کرتا مکہ پہنچ گیا اور قریش کو ساری صورتِ حال بتائی۔ انھوں نے فوراً تیاری کی اور مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ قریش کے سبھی سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ بس ابولہب نہیں آیا تھا۔ ان لوگوں نے آس پاس کے قبائل بھی ساتھ لے لیے۔ لشکر ''جُحفَہ'' کے مقام پر پہنچا تو اسے ابوسفیان کا پیغام ملا، پیغام یہ تھا کہ وہ قافلے کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے، لہٰذا تم سب لوگ بھی مکہ واپس آ جاؤ۔ اب ان لوگوں نے واپسی کی ٹھانی لیکن ابوجہل نے فخر اور غرور سے کام لیا اور کہا:

''اب ہم آ ہی گئے ہیں تو کیوں نہ مسلمانوں سے نبٹ لیں۔''

ان کی تعداد ایک ہزار تھی، ساز و سامان سے بھی لدے پھندے تھے۔ اپنی

تعداد اور سامان کی کثرت نے ان میں ہوا بھر دی تھی، خوب اکڑ رہے تھے۔

دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ آپ عاجزی اور انکساری سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے یوں دعا مانگ رہے تھے:

''اے باری تعالیٰ! اگر مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پاکی بیان کرنے والا اور تیری اطاعت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔''

''اے اللہ! اپنے نام لیواؤں کی مدد فرما، انھیں فتح اور نصرت عطا فرما۔''

پھر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے، اس روز رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔ کافروں کے لشکر سے ان کے تین بہترین جنگ جو عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ میدان میں نکلے۔ انھوں نے مقابلے کے لیے للکارا:

''آؤ! ہمارے سامنے کون آتا ہے؟''

ان تین کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے لشکر سے سیدنا حمزہ، سیدنا علی اور سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نکلے۔ مقابلہ شروع ہوا اور چند ہی لمحوں میں تینوں کافر خاک اور خون میں لوٹ گئے۔ اس کے بعد عام مقابلے کا اعلان ہوا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، خوب رَن پڑا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ابوجہل بھی جہنم رسید ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کُل ستر کافر موت کے گھاٹ اترے، اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ جب کہ مسلمانوں کے 14 جوان شہید ہوئے۔ ان میں چھ مہاجر اور آٹھ انصاری تھے۔ اس جنگ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ کافروں کی طاقت کا بھرم کھل گیا۔

قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے ساتھ اچھا سلوک

کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ صحابہ نے ان سے بے مثال سلوک کیا۔ خود کھجوروں سے پیٹ بھرے اور انھیں عمدہ کھانے کھلائے۔ ان قیدیوں میں صرف دو کے قتل کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ بہت بُری فطرت کے تھے۔ باقی سب قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ جو قیدی غریب تھے اور فدیہ ادا کرنے کے قابل نہیں تھے، ان سے کہا گیا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ ایسا ہو جانے کے بعد انھیں رہا کر دیا جائے گا، چنانچہ انھوں نے لکھنا پڑھنا سکھایا اور رہائی پائی۔

ابوجہل کے مارے جانے کے بعد قریش نے اپنا سردار ابوسفیان کو بنالیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ معظّمہ میں بنو ہاشم کا وقار کم ہو گیا اور بنو امیہ کا عروج شروع ہوا۔

جمادی الاخریٰ 3 ہجری میں قریش کا ایک قافلہ عراق کے راستے شام کی طرف روانہ ہوا۔ یہ راستہ نجد سے ہوتا ہوا شام تک جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ مدینہ منورہ کے قریب سے نہیں گزرتا تھا۔ اس قافلے کا سردار صفوان بن امیہ تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے دوسو سواروں کو سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس کی طرف روانہ کیا۔ قریش کا قافلہ ابھی ''قردہ'' نامی چشمے پر آ کر ٹھہرا ہی تھا کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے پورے قافلے پر قابو پا لیا، البتہ آدمی جتنے بھی تھے سوائے فرات بن حیان کے سب کے سب نکل گئے۔ فرات قافلے کا رہنما تھا، اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس سریّے میں مسلمانوں کو ایک لاکھ درہم مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ غزوۂ بدر کے بعد یہ قریش کی دوسری تکلیف دہ شکست تھی۔

❁❁❁

غزوۂ احد

جنگوں کا جو سلسلہ پچھلے سال شروع ہوا تھا، اس سال اس میں شدت آ گئی۔ پے در پے غزوات پیش آئے۔ غزوۂ بحران اور غزوۂ بنو قینقاع میں مسلمانوں نے کامیابیاں حاصل کیں۔ غزوۂ احد اس سال کی سب سے اہم لڑائی تھی۔ اس میں مسلمانوں کو شروع میں شان دار کامیابی حاصل ہوئی، کافر شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مسلمانوں کی ایک اپنی غلطی کی وجہ سے یہ شان دار فتح غمزدہ شکست میں بدل گئی۔ اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

بدر کے میدان میں قریش کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ مکہ کے ہر گھر سے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اب قریش کے سردار ابوسفیان تھے۔ ان پر یہ ذمے داری عائد ہو چکی تھی کہ اپنے مقتولین کا انتقام مسلمانوں سے لیں، چنانچہ انھوں نے مشرکین کی بدر سے واپسی پر منت مانی کہ جب تک مسلمانوں سے بدر کی شکست کا بدلہ نہ لے لیں گے، غسلِ جنابت نہیں کریں گے۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ ایک دن اپنے کچھ رشتے داروں کے ساتھ ابوسفیان کے پاس گئے اور کہنے لگے:

''محمد (ﷺ) نے ہماری قوم کو برباد کر دیا۔ اب ہم نے بھی ٹھان لی ہے کہ مسلمانوں کو اس دنیا سے ہٹا کر دم لیں گے۔''

قریش کے شاعروں نے بھی انتقام کی آگ کو خوب ہوا دی۔ اس طرح پورا

عرب گویا آتش فشاں بن گیا جو مسلمانوں پر پھٹ پڑنا چاہتا تھا۔

مسلمان بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قریشِ مکہ اپنے ستر سرداروں کے قتل کا بدلہ لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے، چنانچہ وہ کفار کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ شوال 3 ہجری میں نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریشی لشکر مدینہ منورہ کی طرف آ رہا ہے اور اس کی تعداد تین ہزار ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی نبیٔ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ زیادہ تر صحابہ کا مشورہ مدینہ میں رہ کر لڑنے کا تھا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے بھی یہی مشورہ دیا، یہ مشورہ تجربہ کار اور عمر رسیدہ صحابہ کا تھا، رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی رائے تھی لیکن نوجوان صحابہ نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا، انھوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ ان نوجوانوں میں سے زیادہ تر وہ تھے جو غزوۂ بدر میں حصہ نہیں لے سکے تھے اور اب اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے بُری طرح سے بے چین تھے۔ جب ان سب نے اس پر زور دیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ اٹھے اور کمرے کے اندر چلے گئے۔ آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو جنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اب ان نوجوانوں کو شرمندگی کا احساس ہوا۔ وہ جان گئے کہ آپ شہر میں رہ کر لڑنے کے حق میں تھے اور یہ مشورہ آپ کو پسند تھا، چنانچہ احساس ہوتے ہی انھوں نے کہا:

''اللہ کے رسول! آپ پسند کریں تو شہر ہی میں رہ کر مقابلہ کریں۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''رسول کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہتھیار پہن کر قتال کیے بغیر ان کو اتار دے۔''

نبیٔ کریم ﷺ ایک ہزار صحابہ کا لشکر لے کر باہر تشریف لائے۔ آپ نے مقام شوط پر صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اسی مقام سے منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ اعتراض اس نے یہ کیا کہ اس کا مشورہ نہیں مانا گیا۔

احد مدینہ منورہ کے شمال میں تین میل دور واقع ہے۔ آپ احد کے دامن میں پہنچے۔ پہاڑ کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر آپ نے صفیں درست فرمائیں۔ فوج کا جھنڈا آپ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو رسالے کا افسر مقرر کیا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو زرہ پوش دستے کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ پہاڑ میں ایک دَرّہ تھا۔ دشمن اس طرف سے آ کر مسلمانوں کی کمر کی طرف سے حملہ کر سکتا تھا اور اس طرح مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر نبیٔ اکرم ﷺ نے اس درے پر پچاس تیر انداز مقرر فرما دیے۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

"کسی قیمت پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔"

قریش نے بھی بڑی مہارت سے صفیں درست کیں، جھنڈا طلحہ کو دیا۔ تیر اندازوں کا افسر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔ دائیں طرف خالد بن ولید کو اور بائیں طرف عکرمہ بن ابو جہل کو فوج کا افسر مقرر کیا، صفوان بن امیہ کو سوار دستے کا افسر بنایا۔

لڑائی کی ابتدا میں طلحہ جھنڈا اٹھائے آگے آیا اور للکار کر مقابلے کے لیے دعوت دینے لگا۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ یہ سن کر آگے آئے۔ آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً طلحہ پر

حملہ کر دیا اور ایک ہی وار میں اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ جھنڈا گرا تو اس کے بھائی عثمان نے اسے اٹھا لیا۔ وہ بھی مقابلے کے لیے للکارا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ صف سے نکلے اور تلوار کا زوردار وار کیا، ان کی تلوار عثمان کے کندھے پر پڑی اور کمر تک کاٹتی چلی گئی۔

اس طرح کفار کے بارہ جنگ جو ایک دوسرے کے بعد قتل ہوئے، پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان اس قدر بہادری سے لڑے کہ کافروں کے چھکے چھوٹ گئے، وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ گانے اور نغمے سُنا کر جوش دلانے والی عورتیں بھی بھاگ نکلیں۔ مسلمانوں نے مشرکوں کا تعاقب شروع کیا، انھیں گھیر کر ہلاک کرنے لگے۔ وہ انھیں قتل بھی کر رہے تھے اور مالِ غنیمت بھی جمع کر رہے تھے۔

ایسے میں وہ تاریخی غلطی ہو گئی جس نے مسلمانوں کی اس شاندار فتح کو شکست سے بدل دیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پچاس تیر انداز پہاڑی درّے پر مقرر فرمائے تھے، انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، حالانکہ انھیں ہدایت یہ تھی کہ تم کسی قیمت پر اپنی جگہ سے نہیں ہٹو گے لیکن جب کفار لگے بھاگنے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے لگے تو انھوں نے خیال کیا، اب چونکہ جنگ ختم ہو گئی ہے، لہٰذا اس درّے پر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، البتہ تیر اندازوں کے دستے کے سردار عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ انھوں نے باقی ساتھیوں سے بھی کہا کہ ہمیں یہاں سے ہٹنا نہیں چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے لیکن سوائے چند ساتھیوں کے باقی سب نے ان کی بات نہ مانی اور درّہ چھوڑ کر چلے گئے۔

قریشی فوج میں اس طرف خالد بن ولید کمانڈر تھے، انھوں نے جنگ کے دوران میں بھی مسلمانوں کے محاذ کی اس کمزور جگہ کو بھانپ لیا تھا اور جنگ کے دوران میں انھوں نے اس طرف سے حملہ کرنے کی کئی کوششیں بھی کی تھیں لیکن عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تیراندازی کے سامنے ان کی پیش نہیں گئی تھی اور وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے، اب جو انھوں نے پسپائی اختیار کرنے کے دوران میں درّے کی طرف دیکھا تو وہاں صرف چند آدمی ہی نظر آئے ،لہٰذا وہ اپنے دستے کے ساتھ چکر کاٹ کر اس درے تک آئے اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ وہ چند آدمی کب تک مقابلہ کرتے ،سب کے سب شہید ہو گئے۔اب خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے لیے میدان صاف تھا۔انھوں نے درّے سے نکل کر مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کر دیا۔مسلمان اس طرف سے بے خبر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے،اس اچانک حملے سے بدحواس ہو گئے،تتر بتر ہو گئے،اپنے پاؤں نہ جما سکے، پھر بھی شدید جنگ ہوئی اور ستر صحابہ شہید ہوئے۔

اسلامی لشکر کا جھنڈا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔ ان کی شکل وصورت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت حد تک ملتی جلتی تھی۔ جب وہ شہید ہوئے تو بعض مشرک پکار اٹھے:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے۔''

اس افواہ سے مسلمانوں میں اور زیادہ گھبراہٹ پھیل گئی، بڑے بڑے بہادر حوصلہ ہار گئے لیکن جلد ہی ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ وہ بلند آواز میں پکارے:

''مسلمانو! اللہ کے رسول زندہ ہیں، یہ رہے۔''

یہ سننا تھا کہ مردہ جسموں میں جان پڑ گئی۔ مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس جنگ میں آپ کی آنکھ سے نیچے کی اُبھری ہوئی ہڈی پر ایک کافر نے تلوار ماری جس سے خَود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ ایک پتھر آ کر لگا تو اس سے آپ کے دو دانت شہید ہو گئے۔

شہید ہونے والے ستر صحابہ میں سے اکثر کے ناک اور کان کاٹ لیے گئے تھے۔ گویا اس طرح مشرکین نے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا تھا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے لیکن آپ نے ہمت سے کام لیا، قریشِ مکہ کی ہدایت کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔''

اس کے بعد مسلمان زخمیوں اور شہیدوں کی تلاش شروع ہوئی۔ آپ بھی اس کام کے لیے میدان میں اتر آئے۔ بعض لوگ اپنے شہداء کو مدینے کی طرف لے چلے۔ آپ کو پتا چلا تو حکم دیا، تمام شہداء کو واپس لایا جائے۔

اس طرح سارے شہداء کو احد کے میدان میں دفن کیا گیا۔ آپ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ایک قبر میں دفن کرایا۔ بعض دو دو شہداء کو ایک کپڑے میں دفن کیا گیا۔ جسم کا کوئی حصہ ننگا رہ گیا تو اس پر اذخر گھاس ڈالی گئی۔ مشترکہ قبروں میں آگے انھیں لٹایا گیا جنھیں قرآن زیادہ یاد تھا۔ اس موقعے پر آپ نے فرمایا:

''میں ان لوگوں کے بارے میں قیامت کے دن گواہی دوں گا۔''

رجیع کا سانحہ

قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں اسلام کا کچھ چرچا ہے۔ بس تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے، پھر ان شاء اللہ وہاں تمام لوگ اسلام لے آئیں گے، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ لوگوں کو بھیج دیجیے، وہ انھیں دین کی تعلیم دیں گے اور قرآن سکھائیں گے۔''

آپ نے ان کی بات سن کر دس آدمیوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ کر دی۔ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے تو ان لوگوں نے اپنا اصل روپ ظاہر کر دیا۔ دراصل وہ باقاعدہ منصوبہ کر کے ان حضرات کو لائے تھے۔ اس مقام پر انھوں نے قبیلۂ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو آواز دی، وہ پہلے ہی تیار تھے۔ فوراً ایک سو کے قریب تیر اندازوں نے ان دس آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا، یہ لوگ اس وقت ایک ٹیلے پر تھے، پھر ان سے کہا:

''ٹیلے سے نیچے اتر آؤ تو ہم تمھیں قتل نہیں کریں گے۔''

مطلب یہ تھا کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ ان پر تیر برسانے لگے۔ ان دھوکے بازوں نے بھی تیر برسائے، اس طرح دس میں

سے سات ساتھی شہید ہو گئے۔ اب پھر انھوں نے کہا:

”نیچے اتر آؤ! ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

تینوں نیچے آئے۔ انھوں نے فوراً تینوں کو باندھ لیا۔ تین میں سے ایک نے کہا:

”تم بدعہدی کر رہے ہو، میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“

اس پر انھوں نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اب صرف دو رہ گئے۔ یہ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما تھے۔ کفار ان دونوں کو مکہ مکرمہ لے گئے اور وہاں لے جا کر انھیں فروخت کر دیا۔

سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا۔ یہ کفار ان سے اس کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے، چنانچہ کچھ مدت تک انھیں قید میں رکھا گیا، پھر قتل کرنے کے لیے تنعیم میں لائے۔ جب وہ انھیں قتل کرنے لگے تو خبیب رضی اللہ عنہ بولے: ”مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔“

انھوں نے اجازت دے دی۔ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور انھیں بددعا دی، پھر یہ اشعار پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا　　عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ　　يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

”میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوتا ہوں اور یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے اور اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کیے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت دے دے۔“

اس پر ابوسفیان نے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ (تمھارے بدلے میں) محمد (ﷺ) ہمارے پاس ہوتے اور ہم انھیں قتل کرتے اور تم اپنے بیوی بچوں میں ہوتے۔"

انھوں نے حد درجے خوب صورت جواب دیا:

"اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوتا اور محمد ﷺ کو جہاں آپ ہوں، وہیں کوئی کانٹا بھی چبھ جاتا اور وہ آپ کو تکلیف دیتا۔"

مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنی جان بچانے کے لیے یہ بھی برداشت نہیں کروں گا کہ آپ کو ایک کانٹا چبھو دیا جائے۔ اس کے بعد عقبہ بن حارث نے انھیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر دیا۔ باقی رہ گئے زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں امیہ بن محرث کو قتل کیا تھا، لہٰذا انھیں امیہ کے بیٹے صفوان نے خرید کر باپ کے بدلے میں قتل کیا۔ اس سانحے کے بعد قریش نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش لانے کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے۔ جب یہ لوگ ان کی لاش کے قریب پہنچے اور انھیں اٹھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کا غول بھیج دیا، چنانچہ وہ ان کی لاش کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مشرک انھیں نہ چھو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان کی حفاظت فرمائی۔ انھوں نے سوچا، رات کو بھڑیں غائب ہو جائیں گی، اس وقت لاش اٹھا لیں گے لیکن رات کے وقت پانی کا ایک ریلہ آیا جو ان کی لاش کو بہا لے گیا، مشرک انھیں ہاتھ نہ لگا سکے۔

اسی زمانے میں ایک اور دردناک سانحہ پیش آیا۔ اس واقعے کو بئر معونہ کا المیہ کہا جاتا ہے۔ یہ صفر 4 ہجری میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

ابو براء بن مالک نامی ایک شخص مدینہ منورہ میں آیا۔ یہ ''مُلَاعِبُ الْأَسِنَّة'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا مطلب ہے، نیزوں سے کھیلنے والا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا تاہم بالکل انکار بھی نہ کیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اگر اس کے علاقے میں کچھ مسلمان تبلیغ کے لیے بھیج دیے جائیں تو وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ انھیں میری پناہ حاصل ہوگی۔

اس کی بات سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے ستر (70) صحابہ کو اس کے ساتھ روانہ فرمایا۔ یہ صحابہ قاری تھے۔ انھوں نے بئر معونہ پر قیام کیا۔ ان میں سے ایک صحابی حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم ﷺ کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ یہ شخص بدترین کافر تھا۔ اس نے خط پڑھ کر بھی نہ دیکھا، اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا، اس نے پیچھے سے نیزے کا وار کر کے سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ نیزا ان کے جسم کے پار ہوگیا تاہم گرتے ہوئے وہ پکارے:

''ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔''

اس کے بعد عامر بن طفیل نے قبیلہ بنو عامر کے لوگوں کو آواز دی۔ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا۔ وجہ انھوں نے یہ بیان کی کہ مسلمان ابو براء کی پناہ میں ہیں۔ اب اس نے بنو سُلَیم کو آواز دی۔ بنو سلیم کی چند شاخوں نے آکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ کرلیا۔ یہ شاخیں بنو رِعل، ذکوان اور عُصَیَّہ تھیں۔ ان لوگوں نے ان تمام صحابہ کو شہید کر ڈالا۔ صرف دو صحابی بچ رہے۔ وہ کعب بن زید اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہما تھے۔ کعب بن زید زخمی تھے۔ انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ

دیا گیا، چنانچہ وہ شہداء کے درمیان سے اٹھا لیے گئے، پھر زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ جبکہ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ منذر بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹوں کو چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آسمان پر پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو پریشان ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑے۔ پڑاؤ پر پہنچے تو تمام ساتھی خون میں نہائے نظر آئے۔ انھوں نے بھی لڑنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ کفار سے جنگ شروع کر دی۔ منذر بن عقبہ رضی اللہ عنہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ قید کر لیے گئے۔ انھیں عامر بن طفیل کے سامنے پیش کیا گیا۔ عامر بن طفیل کو پتا چلا کہ یہ قبیلہ مضر سے ہیں تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر انھیں اپنی ماں کی منت کے بدلے میں آزاد کر دیا۔ اس کی ماں نے ایک گردن آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی۔

اب عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قرقرہ نامی مقام پر انھیں بنو کلاب کے دو آدمی ملے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا، حالانکہ ان کے پاس نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان موجود تھی۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تم نے جن دو آدمیوں کو قتل کیا ہے، ان کی دیت مجھے دینی ہوگی۔''

رجیع اور بئر معونہ کے سانحات کی وجہ سے آپ بہت زیادہ غمگین ہو گئے تھے۔ یہ دونوں واقعات صفر 4 ہجری میں پیش آئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں واقعات کی اطلاع آپ کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔ آپ ان قاتلوں کے لیے تیس دن تک نمازِ فجر میں بددعا فرماتے رہے، قنوت پڑھتے رہے۔

غزوۂ بنونضیر

ربیع الاول 4 ہجری میں غزوۂ بنونضیر پیش آیا۔اس کی وجہ یہ بنی کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر بنو کلاب کے دو آدمیوں کے قتل کی اطلاع دی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ساتھ لیا اور بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ان سے آپ کا معاہدہ تھا۔اس معاہدے کی رو سے دیت کی ادائیگی میں مدد کرنا ان کی ذمے داری تھی۔ساری بات سن کر وہ بولے:

''ابوالقاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔آیئے! آپ تشریف رکھیے، ہم ابھی آپ کو فارغ کیے دیتے ہیں۔'' ان لوگوں نے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور آپ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ ترتیب دینے لگے۔آپس میں مشورہ کرنے لگے:

''کون ہے جو اس پتھر کو اوپر لے جائے اور آپ کے سر پر گرا دے۔''

ایک بدبخت یہودی عمرو بن جحاش اٹھا۔ادھر جبریل علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادے کی خبر کر دی۔خبر سنتے ہی آپ اس جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ بعد میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ سے آ ملے، وہ حیران تھے کہ آپ اچانک اٹھ کر کیوں چل دیے۔اب آپ نے انھیں ساری بات بتائی۔آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا:

''مدینے سے نکل جاؤ، اب تم یہاں نہیں رہ سکتے، تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے۔دس دن کے بعد جو یہاں نظر آیا، اس کی گردن مار دی جائے گی۔''

یہودی یہ اعلان سن کر مدینے سے جانے کی تیاری کرنے لگے لیکن پھر منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنا کردار ادا کیا، اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا:

''تم لوگوں کو مدینے سے جانے کی کوئی ضرورت نہیں، بس ڈٹے رہو اور ڈرو نہیں، میرے پاس دو ہزار جنگ جو موجود ہیں۔ وہ تمھاری مدد کو آ پہنچیں گے اور تم لوگوں کی حفاظت کریں گے۔ اگر انھیں جان بھی دینا پڑی تو دیں گے۔ یہی نہیں، بنو قریظہ اور بنو غطفان بھی تمھاری مدد کریں گے۔''

یہودیوں کو یہ پیغام ملا تو انھوں نے محسوس کیا، ان کے ساتھ تو ایک طاقت موجود ہے۔ وہ کیوں یہاں سے جائیں، چنانچہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو پیغام بھیج دیا کہ وہ نہیں جا رہے۔ آپ جو کر سکتے ہیں، کر لیں۔

اس پیغام پر اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔ آپ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ آپ نے مدینے میں اپنا قائم مقام سیدنا عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس غزوے میں جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ کر آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ پہلے ہی اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لے چکے تھے۔ انھوں نے اسلامی لشکر پر تیر برسانے شروع کیے۔ پتھر بھی برسائے۔ ان کے اور صحابہ کے درمیان کھجور کے باغات تھے۔ یہ باغات صحابہ کے لیے رکاوٹ بن رہے تھے، چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حکم فرمایا:

''ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔''

جب مسلمانوں نے ایسا کیا تو یہودیوں پر ان کا رعب چھا گیا، ان کے حوصلے

جواب دے گئے۔ دوسری طرف عبداللہ بن ابی نے ان سے جس مدد کا وعدہ کیا تھا، اس مدد کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس صورتِ حال سے گھبرا کر انھوں نے چھ دن کے محاصرے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے ہتھیار 15 دن بعد ڈالے۔ تاہم انھوں نے یہ شرط منوائی کہ وہ ہتھیار ساتھ نہیں لے جائیں گے، باقی سارا سامان ساتھ لے جائیں گے۔ آپ نے ان کی یہ شرط مان لی۔ انھوں نے اس شرط سے خوب فائدہ اٹھایا اور ان سے جو ہو سکا لے گئے، یہاں تک کہ دروازے اور کھڑکیاں تک اکھاڑ کر لے گئے، چھتوں کی کڑیاں بھی لے گئے۔

اس موقعے پر بنوقریظہ ان سے الگ رہے۔ انھوں نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور نہ منافقین ان کی مدد کو آئے۔ اس واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴾

''وہ اپنے ہاتھوں اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں اپنے گھر برباد کر رہے تھے۔ پس اے اہلِ بصیرت! عبرت پکڑو۔'' (الحشر 2:59)

مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے کے بعد یہ لوگ خیبر چلے گئے۔ تمام بڑے بڑے لوگوں نے خیبر میں رہائش اختیار کی، البتہ ایک چھوٹا سا گروہ ملکِ شام چلا گیا، وہ وہاں جا بسے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا علاقہ سب سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ تاہم دو انصاریوں کو بھی وہاں جگہ عطا فرمائی۔ یہ ابودجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کی تنگ دستی کے سبب آپ

نے انھیں وہاں جگہ عطا فرمائی۔ اس علاقے سے آپ اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے۔ اس کے علاوہ جو بچتا، وہ جہاد کی تیاری میں خرچ ہوتا، اس سے ہتھیار اور گھوڑے خریدے جاتے۔

ابوسفیان نے ''احد'' میں اعلان کیا تھا کہ ہم اگلے سال پھر آئیں گے، چنانچہ شعبان 4 ہجری کو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو لے کر نکلے۔ اس کے وعدے کے مطابق آپ میدانِ بدر میں پہنچ گئے۔ آپ وہاں آٹھ دن ٹھہرے رہے۔ آپ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار صحابہ تھے، دس گھوڑے تھے۔ جھنڈا اس مرتبہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام آپ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپا تھا۔

وعدے کے مطابق ابوسفیان دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا۔ اس کے ساتھ پچاس سوار تھے۔ انھوں نے مَرُّ الظَّہرَان کے مقام پر پہنچ کر ایک چشمے کے قریب پڑاؤ کیا، اس مقام پر پہنچ کر انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''جنگ اس وقت مناسب ہے جب موسم اچھا ہو، شادابی اور ہریالی ہوتا کہ جانور اچھی طرح چر سکیں اور تم دودھ پی سکو لیکن اس وقت موسم بالکل خشک ہے، لہٰذا میری رائے تو یہ ہے کہ واپس لوٹ جاتے ہیں۔''

ابوسفیان کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور واپس لوٹ گئے۔ مسلمانوں کو جب ان کی واپسی کی اطلاع ملی تو مسلمان بدر میں ٹھہر کر اپنا سامانِ تجارت فروخت کرنے لگے۔ اس طرح انھوں نے دگنا منافع کمایا۔ واپس مدینے کی طرف لوٹے تو دشمن پر ان کا رعب پوری طرح چھا چکا تھا۔ اب ہر

طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ ایک سال تک دشمن کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نبئ کریم ﷺ نے آخری حدود تک امن قائم فرمایا۔ اسی سلسلے میں ڈاکوؤں کا خاتمہ کرنے کے لیے ''دومۃ الجندل'' تشریف لے گئے اور اس طرح ہر طرف امن کا دور دورہ ہو گیا۔

غزوۂ خندق

یہودیوں نے مدینہ منورہ کو خالی ضرور کر دیا تھا اور خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے لیکن اپنی سازشوں سے وہ پھر بھی باز نہیں آئے تھے۔ انھوں نے اپنی سازشیں ہر طرف پھیلا دیں۔ ان کے سردار مکہ گئے، قریش کو جنگ پر ابھارا۔ قبیلۂ غطفان کو لالچ دیا کہ اگر انھوں نے ان کا ساتھ دیا تو وہ انھیں خیبر کی آدھی پیداوار دیں گے۔ بنی اسد پہلے ان کے حلیف تھے، وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح دس ہزار کا بڑا لشکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔

نبیٔ کریم ﷺ کو ان کی تیاریوں کی اطلاعات موصول ہوئیں تو آپ نے اپنے صحابہ کو اکٹھا فرمایا۔ ان سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اس سلسلے میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ ان کا مشورہ یہ تھا:

''شہر کے تین اطراف میں دشوار گزار پہاڑ ہیں، کھجوروں کے جھنڈ ہیں، گھنے باغات ہیں اور مکانات بھی ہیں۔ یہ سب چیزیں مدینہ منورہ کے لوگوں کی مددگار ہیں۔ مطلب یہ کہ ان اطراف سے دشمن آسانی سے حملہ نہیں کر سکتا۔ ان راستوں میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہیں، مشکلات ہیں۔ اب رہ گئی ایک طرف، یعنی شمال والی طرف تو اس طرف اگر ہم خندق کھود دیں تو شہر پر حملے کو روکا جا سکتا ہے۔''

آپ نے اس رائے کو پسند کیا۔ باقی صحابہ نے بھی اتفاق کیا۔ اس طرح خندق کو نیم دائرے کی صورت میں کھودنا طے ہوا۔ ہر دس صحابہ کو تقریباً 32 میٹر کی کھدائی سونپی گئی۔ اس طرح بیس دن میں تقریباً 5 سے 8 میٹر گہری، تقریباً 7 میٹر چوڑی

اور تقریباً 4 کلومیٹر لمبی خندق کھودی گئی۔ یہ خندق 28 ذی قعدہ کو تیار ہوئی۔

مسلمان خندق کھود کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ کفار کا لشکر مدینہ منورہ کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ لوگ خندق کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی صورتِ حال سے بھی دوچار ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو مدینہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ مدینہ منورہ کے اندر تین ہزار مسلمان پوری طرح ہوشیار تھے اور خندق کی زبردست طریقے سے نگرانی کر رہے تھے۔ اب دونوں طرف سے تیراندازی شروع ہوئی کیونکہ خندق کی وجہ سے کافر اندر تو نہیں جا سکتے تھے۔ اب لے دے کر تیروں کی لڑائی ہی لڑی جا سکتی تھی۔ تاہم ایک دن مشرکوں کی ایک جماعت اپنے گھوڑوں کے ذریعے سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس جماعت میں عمرو بن عبدوُدّ، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب جیسے نادر جنگ جو موجود تھے۔ انھوں نے پہلے خندق کا غور سے جائزہ لیا۔ پھر ایک جگہ چوڑائی کم دیکھی تو گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آئے اور خندق پار کر گئے۔ وہ گھوڑے دوڑانے لگے۔ اس طرح خندق اور سلع کے درمیان آ گئے۔ ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ چند ساتھیوں کے ساتھ نکلے، ان لوگوں نے جس مقام سے خندق پار کی تھی، انھوں نے اس مقام پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح کفار کی واپسی کا راستہ بند ہو گیا۔

عمرو بن عبدوُدّ مقابلے کے لیے للکارا۔ وہ بہت بہادر اور طاقت ور تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے مقابلے کے لیے آگے آئے۔ دونوں میں پہلے چند جملوں کا تبادلہ ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک جملے پر اسے غصہ آ گیا، وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ اب دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کیے۔ آخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرک بھاگ اٹھے۔ ان پر مسلمانوں کا خوف کچھ اس بُری طرح طاری ہوا کہ عکرمہ بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ گئے۔ نوفل بن عبداللہ خندق کے اندر گر گیا، مسلمانوں نے اسے فوراً مار کر ختم کر دیا۔

اس روز مشرکین بہت بڑھ بڑھ کر تیر اور پتھر برساتے رہے۔ وہ دن مسلمانوں کے لیے کافی سخت دن تھا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں نے عورتوں کو ایک قلعے میں پہنچا دیا تھا۔ وہ قلعہ بنو قریظہ کے قرب و جوار میں تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو بنو قریظہ نے سوچا، مسلمان اس وقت جنگ میں مصروف ہیں، کیوں نہ وہ اس خالی قلعے پر قبضہ کر لیں۔ ان کے خیال میں قلعہ خالی تھا۔

قلعے کا جائزہ لینے کے لیے ایک یہودی اس طرف آیا اور قلعے کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اندر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ بہت بہادر خاتون تھیں۔ جب انھوں نے اس یہودی کو دیکھا تو قلعے سے باہر نکلیں اور خیمے کی چوب مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر سر کاٹ کر بنو قریظہ کی طرف پھینک دیا۔ اس سر کو دیکھ کر بنو قریظہ سہم گئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے، جب کہ اندر صرف عورتیں تھیں۔ اس طرح بنو قریظہ نے قلعے پر قبضے کا خیال دل سے نکال دیا۔

مشرکین نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ منورہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ صحیح روایات کی روشنی میں غزوۂ خندق 5 شوال سے شروع ہوا تھا اور ذی قعدہ میں ختم ہوا۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس روز خندق سے واپس ہوئے، وہ بدھ کا دن تھا۔ اس جنگ میں فریقین کے صرف چند افراد مارے گئے۔ ان میں

دس مشرک تھے اور چھ مسلمان۔

اس جنگ کے دوران میں ایک تیر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا۔ اس سے ان کے بازو کی رگ کٹ گئی۔ اسی وقت انھوں نے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! قریش کی جنگ اگر باقی ہے تو اس کے لیے مجھے زندہ رکھ ورنہ اسی زخم کو میری موت کا سبب بنا دے۔'' اپنی اس دعا میں انھوں نے یہ بھی کہا:

''اے اللہ! مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔''

یہ جنگ دراصل جان و مال کے نقصان والی جنگ نہیں تھی کیونکہ اس میں کوئی خون ریز لڑائی نہیں ہوئی ۔ فریقین کے درمیان تلواریں نہیں چلیں، البتہ یہ اعصاب شکن جنگ تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود اسلام کی تاریخ کے لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے۔ یہ جنگ فیصلہ کن تھی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے ۔ انھیں اندازہ ہو گیا کہ پورے عرب میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو مسلمانوں کی چھوٹی سی طاقت کو ختم کر سکے۔ وہ طاقت جو مدینہ منورہ میں زور پکڑ رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس جنگ میں دشمن دس ہزار کی تعداد میں مقابلے پر آیا تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ بہت بڑی تعداد تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے بعد فرمایا تھا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا ، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

''اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے، اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔''

... غزوۂ خندق

غزوۂ خندق سے واپسی پر ابھی آپ نے جنگ کا لباس اتارا ہی تھا کہ جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور بنو قریظہ کی طرف نکلنے کا حکم سنایا، ساتھ ہی انھوں نے کہا:

''میں آپ سے پہلے جا رہا ہوں تاکہ ان کے قلعوں میں زلزلہ طاری کر دوں اور ان کے دلوں کو رعب سے بھر دوں۔''

یہ کہہ کر وہ فرشتوں کے لشکر کے ساتھ چلے گئے۔ آپ نے لوگوں میں اعلان کرایا:

''جو شخص سننے اور اطاعت کرنے پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔''

اس اعلان کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا انتظام عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور انھیں ہراول دستے کے ساتھ روانہ فرمایا۔ بنو قریظہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

ادھر مدینہ منورہ میں لوگ جلدی جلدی تیار ہو کر نکل پڑے۔ بعض لوگ آگے نکل گئے، بعض ابھی راستے میں تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے وہیں نماز پڑھ لی اور کچھ نے بنو قریظہ میں جا کر نماز ادا کی۔ انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ نے حکم فرمایا تھا: عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہاجرین اور انصار کے ساتھ نکلے۔ آپ نے ''انا'' نامی کنویں پر پڑاؤ ڈالا۔

بنو قریظہ نے جب اسلامی لشکر کو دیکھا تو ان پر رعب طاری ہو گیا۔ وہ اپنی

حویلیوں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ لڑنے کی جرأت ان میں کہاں تھی۔ ان کا محاصرہ جاری رہا، پھر محاصرہ طویل ہو گیا۔ آخر انھوں نے اپنے بعض حلیفوں سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ابولبابہ کو بھیج دیں، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ان کی بات مان لی اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ وہ انھیں دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑے۔ عورتیں اور بچے تو زور زور سے رونے لگے۔ ان کی اس حالت نے ابولبابہ پر بہت اثر کیا۔ آخر انھوں نے پوچھا:

''آپ کا کیا خیال ہے، کیا ہم ہتھیار ڈال دیں؟''

ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے وہاں تو یہ کہا کہ ہاں لیکن ساتھ انھوں نے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ کہ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں تم لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ ادھر انھوں نے اشارہ کیا، ادھر انھیں احساس ہو گیا کہ یہ ان سے کیا حرکت سرزد ہو گئی ہے۔ یہ اشارہ کر کے تو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے، چنانچہ وہ فوراً واپس آئے، مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا۔ ساتھ میں انھوں نے قسم بھی کھا لی کہ اب اللہ کے رسول ہی آ کر مجھے کھولیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ کو اس بارے میں بتایا گیا۔ سن کر آپ نے فرمایا کہ وہ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لیے دعا کرتا لیکن اب جب کہ وہ اپنی مرضی سے ایک کام کر بیٹھے ہیں تو پھر میں بھی اس طرح انھیں نہیں کھولوں گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جو فیصلہ سنائے گا، اس کے مطابق عمل کروں گا۔

ادھر محاصرہ طویل ہو گیا۔ اس طوالت سے بنو قریظہ کے حوصلے پست ہو گئے، یہاں تک کہ پچیس دن گزرنے پر انھوں نے خود کو نبیٔ اکرم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے حکم فرمایا:

''مردوں کو باندھ لیا جائے جبکہ عورتوں اور بچوں کو علیحدہ کر لیا جائے۔''

مردوں کو باندھ لیا گیا، عورتوں اور بچوں کو الگ بٹھا دیا گیا۔ اب قبیلہ اوس کے لوگوں نے التجا کی کہ یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں، آپ ان پر مہربانی کریں جس طرح خزرج کے حلیف بنو قینقاع پر آپ نے مہربانی فرمائی تھی۔ ان کی درخواست سن کر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کیا یہ بہتر نہیں کہ ان کا فیصلہ انھی کا ایک آدمی کر دے؟''

وہ فوراً بولے:

''اس سے بہتر بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو گئے تھے، اس وجہ سے وہ مدینہ میں تھے، چنانچہ انھیں وہاں تک لایا گیا۔ جب آپ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے سردار کی جانب اٹھو!''

چنانچہ لوگ اٹھ کر اپنے سردار کی جانب گئے اور انھیں دونوں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے:

''سعد! اپنے حلیفوں کے بارے میں حسنِ سلوک کیجیے گا۔''

یہ سن کر کچھ دیر تک سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کچھ نہ کہہ سکے، آخر بولے:

''اب وہ وقت آ گیا ہے کہ سعد کو کسی کی ملامت کی کوئی پروا نہیں۔''

ان کا یہ جملہ سن کر کچھ لوگ وہاں سے مدینہ پلٹ آئے۔ انھوں نے فوراً کہہ دیا:

''ان کی موت ہی کا فیصلہ ہوگا۔''

اور پھر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا۔ فیصلے کے الفاظ یہ تھے:

''مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ ان کے مال تقسیم کر دیے جائیں۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔''

یہودیوں کی شریعت کے مطابق بھی یہ فیصلہ بہت احسن تھا بلکہ ان کی شریعت کے مقابلے میں زیادہ رحم دلانہ تھا، اس فیصلے کے بعد ان لوگوں کو مدینہ منورہ لایا گیا۔ انھیں قتل کرنے کے لیے خندقیں کھودی گئیں۔ باری باری انھیں ان خندقوں میں قتل کیا گیا۔ ان کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ بعض روایات کے مطابق تعداد چھ یا سات سو کے قریب تھی۔ انھی کے ساتھ بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب بھی مارا گیا۔ اس نے قریش کو جنگ کے لیے اکسایا تھا جس کے نتیجے میں خندق کی لڑائی ہوئی تھی۔ بنو قریظہ کو اس نے عہد شکنی پر آمادہ کیا تھا اور جب مسلمان مشکل حالات سے دوچار تھے تو یہودیوں نے اس کے کہنے پر مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ حیی بن اخطب نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہر حال میں ان کا ساتھ دوں گا اور یہ کہ جو انجام ان کا ہوگا، وہی اس کا بھی ہوگا، چنانچہ اسے بھی انھی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

غزوۂ بنو مصطلق

شعبان 5 ہجری یا 6 ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا۔ بنو مصطلق، قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔ قبیلۂ خزاعہ کے لوگ نبیٔ کریم ﷺ کے طرف دار تھے جب کہ بنو مصطلق قریش کے طرف دار تھے۔ نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاعات ملیں کہ بنو مصطلق کے لوگ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے پہلے ان خبروں کی تصدیق کرنا پسند فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے تحقیقات کرنے کے بعد بتایا کہ خبریں درست ہیں، یہ لوگ واقعی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو مدینے کا انتظام سونپا۔ اس کے بعد آپ صحابہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ بنو مصطلق نے اس وقت مریسیع نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ یہ چشمہ ''قدید'' کے اطراف میں ساحل کے قریب واقع تھا۔ آپ کے ساتھ اس معرکے میں سات سو صحابہ تھے۔ آپ اچانک ہی ان پر جا پڑے۔ وہ غافل تھے، بعض ان میں سے قتل ہوئے، باقی بھاگ نکلے۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ ان کے مال، سامان اور مویشیوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ اس وقت شعبان 5 ہجری یا کہا جاتا ہے کہ 6 ہجری کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔

قیدی عورتوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحب زادی جویریہ بھی تھیں۔ مدینہ آنے پر انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور نبیٔ کریم ﷺ نے

انھیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کی خوشی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد کر دیے۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ آزاد کرتے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

''یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہیں۔ انھیں غلام بنائے رکھنا اب ہمیں گوارا نہیں۔''

ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے نہایت عظیم اور بابرکت خاتون ثابت ہوئی تھیں۔

صلح حدیبیہ

اب حالات بدل چکے تھے۔ اسلام کے راستے کی مشکلات دور ہو چکی تھیں۔ راستے میں کھڑے پہاڑ ٹوٹ پھوٹ گئے تھے اور ایسا نبیٔ اکرم ﷺ کے اخلاق اور تدبر کے نتیجے میں ہوا تھا، مسلمانوں کے اخلاص، ایثار اور جہاد کی برکات سے ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام مشکلات دور ہو گئی تھیں، البتہ اسلام کی ترقی کے راستے میں ابھی دو رکاوٹیں اور تھیں، مکے کے مشرک اور خیبر کے یہودی۔ مکے کے مشرکوں سے تو آپ فقط اتنا چاہتے تھے کہ وہ اسلام کی تحریک کے راستے میں نہ آئیں، روڑے نہ اٹکائیں، جو لوگ خوشی سے اسلام قبول کرنا پسند کریں، انھیں اسلام کے دامن میں آنے دیں، اس کے ساتھ مکے میں جن غریب اور کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو نظر بند کیا ہوا ہے، انھیں مدینے میں آنے دیں اور مسلمانوں کو مکہ آنے جانے، خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور حج کرنے کی آسانی حاصل ہو۔

خیبر کے یہودیوں سے آپ یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام کے راستے میں نہ آئیں، اسلام کی طاقت کو مان لیں۔ پہلی رکاوٹ صلح حدیبیہ سے دور ہو گئی جب کہ دوسری رکاوٹ خیبر کے یہودیوں کے خاتمے سے دور ہو گئی۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

مہاجرین کو مدینہ منورہ میں آئے چھ سال ہو گئے تھے۔ اب ظاہر ہے، مکہ معظّمہ آخر ان کا وطن تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے تو خانہ کعبہ کی زیارت کو

ترس رہے تھے اور کچھ اپنے رشتے داروں سے ملنے کی تڑپ محسوس کر رہے تھے۔
جب ہجرت کا جذبہ ابھرا تھا، تب انھوں نے وطن کو دیکھا نہ رشتے داروں کو لیکن جب حالات پرسکون ہو گئے، مسلمانوں نے طاقت پکڑ لی تو وطن اور رشتے داروں کی یاد ستانے لگی۔

پھر ایسا ہوا کہ ہجرت کے چھٹے سال آپ کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ امن و امان کی حالت میں خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں، سروں کو منڈوایا اور قصر کروایا ہے۔ آپ نے یہ بات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتائی اور فرمایا:

''میں عمرے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

صحابہ نے خوشی کا اظہار فرمایا، چنانچہ اعلان کر دیا گیا۔ چاروں طرف جو آبادیاں تھیں، ان میں بھی اعلان کر دیا گیا مگر ان لوگوں نے سستی دکھائی۔ دراصل ان کا خیال تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کبھی واپس نہیں آئیں گے، چنانچہ مدینہ کے اردگرد کے لوگوں نے اس مہم میں شرکت نہ کی اور بعد میں یہ عذر پیش کیا:

''ہمارے مالوں اور ہماری اولادوں نے ہمیں مشغول کر رکھا تھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے بخشش کی دعا کریں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار، یکم ذی قعدہ 6 ہجری کو چودہ سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے۔ انھوں نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے تھے تاکہ یہ بات نہ پھیل جائے کہ مسلمان مکے پر حملے کے لیے آ رہے ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر جانوروں کو قلادے پہنا دیے گئے، یعنی گردنوں میں پٹے ڈال

دیے گئے، کوہان چیر کر نشان بنا دیے گئے اور عمرے کے احرام باندھ لیے گئے۔

آپ کا سفر جاری رہا، یہاں تک کہ آپ عسفان کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کو اطلاع دی گئی کہ قریش جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ انھوں نے ٹھان لی ہے کہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ وہ ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے تو خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ عسفان کے قریب کُرَاعُ الغَمِیْم کے مقام پر بھیج دیا ہے تاکہ وہ مکہ معظّمہ میں داخلے کا راستہ بند رکھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی مدد کے لیے احابیش کو بھی بلا لیا ہے۔ یہ اطلاعات ملنے پر نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

''اب کیا کریں؟ اردگرد کے جن لوگوں کو انھوں نے جمع کیا ہے، ہم ان کے گھروں پر ہلہ بول دیں یا سیدھے بیت اللہ چلیں اور راستہ روکنے والوں سے مقابلہ کریں۔''

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ہم عمرے کی غرض سے آئے ہیں، نہ کہ لڑنے کے ارادے سے، لہٰذا جو ہمارے مقابلے پر آئے، بس اسی سے لڑیں۔''

رسول کریم ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ ایسے میں ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو مسلمان لگے نماز ادا کرنے۔ خالد بن ولید نے انھیں نماز ادا کرتے دیکھا۔ بعد میں انھوں نے کہا:

''نماز کی حالت میں اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے تو ہم انھیں ہلاک کر سکتے تھے۔''

اس خیال کے آنے پر انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب جب مسلمان عصر کی نماز ادا کریں گے، تب ان پر حملہ کریں گے لیکن خالد بن ولید اپنے اس ارادے کو بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، اس لیے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے صلاۃِ خوف کا حکم نازل فرمادیا۔ مسلمانوں کو بتا دیا کہ اس حالت میں نماز کس طرح ادا کی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے سامنے کا راستہ چھوڑ دیا اور ایک دوسرا راستہ اختیار کرلیا۔ وہ راستہ مکہ سے نیچے داہنے ہاتھ چل کر ''ثنیۃ المرار'' تک جاتا تھا۔ آپ اس مقام پر پہنچے جہاں سے آپ کو حدیبیہ میں اترنا تھا، یہاں آپ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے اٹھانے کے لیے ڈانٹا لیکن وہ پھر بھی نہ اٹھی۔ اس پر لوگوں نے خیال ظاہر کیا:

''قصواء اڑ گئی ہے۔''

ان کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

''قصواء اڑی نہیں، نہ یہ ایسا کرنے کی عادی ہے لیکن اسے تو اس ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی والوں کو روک دیا تھا۔''

یہ کہنے سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روک دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں نے مجھ سے کوئی ایسا مطالبہ کیا جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہو تو میں اسے ضرور مان لوں گا۔''

اس کے بعد آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی اور آپ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حدیبیہ میں داخل ہوئے۔ ایسے میں بدیل بن ورقاء

خزاعی ، بنوخزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ آیا۔ یہ لوگ آپ کے خیر خواہ تھے۔ بدیل نے آپ کو بتایا کہ قریش جنگ پر آمادہ ہیں، انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔اس پر آپ نے فرمایا:

''ہم صرف عمرے کے لیے آئے ہیں اور قریش سے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو پھر ہم بھی ان سے لڑیں گے۔ میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ نافذ ہو جائے یا پھر میں لڑتے ہوئے شہید نہ ہو جاؤں۔''

آپ سے یہ باتیں کرنے کے بعد بدیل قریش کے پاس گیا۔اس نے آپ کا فیصلہ انھیں سنا دیا۔اب انھوں نے مکرز بن حفص کو آپ کی طرف بھیجا۔آپ نے اس سے بھی وہی کچھ فرمایا۔اب قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔جب آپ نے اسے آتے دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا:

''اس شخص کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو قربانی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے،لہٰذا تم جانوروں کو کھڑا کر دو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم کی تعمیل کی۔خود بھی اٹھ کر حلیس کا استقبال کیا۔اسے مرحبا کہا۔ جب اس نے یہ کیفیت دیکھی اور قربانی کے جانوروں کو بھی دیکھ لیا تو پکار اٹھا:

''سبحان اللہ! ان لوگوں کو تو عمرے سے روکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ یہ بھی کوئی تک ہے کہ لخم، جذام اور حمیر کے لوگ تو حج کریں اور عبدالمطلب کے بیٹے کو بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ بیت اللہ کے رب کی قسم! قریش برباد

ہوئے۔ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ لوٹ گیا۔ اس نے جا کر قریش سے بھی یہی کہا۔ تب قریش بولے:

''تم بیٹھ جاؤ، تم اعرابی ہو، تم ان چالبازیوں کو کیا جانو۔''

اس کے بعد قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ آپ نے اس سے بھی وہی بات کی۔ ادھر عروہ نے دربارِ نبوت کی شان دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ اس نے ایسے مناظر زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے، چنانچہ مکہ واپس پہنچنے پر اس نے کہا:

''میں نے بڑے بڑے شہنشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، قیصر و کسریٰ کے درباروں میں جانے کا بھی اتفاق ہوا ہے مگر محمد بن عبداللہ کو جیسے جانثار ملے ہیں، ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے نبی جب وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیتے۔ آپ کے اشاروں پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ آپ کے ہر ہر اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔''

جب اس طرح کوئی بات نہ بن پائی تو نبیٔ اکرم ﷺ نے قریش کی طرف اپنا سفیر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ انھیں بتائے کہ آپ عمرے کے لیے ہی تشریف لائے ہیں۔ اس غرض کے لیے آپ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرمایا۔ آپ نے انھیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ مکے کے کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس بھی جائیں اور انھیں فتح کی خوش خبری سنائیں، انھیں بتا دیں کہ اللہ اپنے دین کو مکے میں بھی غالب کرنے والا ہے، پھر کسی مسلمان کو اپنا دین چھپانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابان بن سعید اموی کی پناہ میں مکہ میں داخل

ہوئے، قریش کو اپنی آمد کا پیغام پہنچایا۔ انھوں نے حکم دیا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہیں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بھلا میں طواف کیسے کر سکتا ہوں جب کہ تم لوگوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف سے روک دیا ہے۔''

اس کے بعد قریش نے ان سے بات چیت کی غرض سے انھیں اپنے پاس روک لیا۔ جب ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ قاصد کو قتل کرنے کا مطلب ہے اعلانِ جنگ، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر فرمایا:

''اب ہم ان لوگوں سے لڑے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔''

پھر آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے چودہ سو صحابہ سے فرمایا:

''مجھ سے جنگ پر بیعت کرو۔''

صحابہ بیعت کے لیے جمع ہو گئے اور سب نے پر جوش انداز میں بیعت کی۔ یہ بیعت اس بات پر تھی کہ ہم موت کو تو گلے لگا لیں گے، میدانِ جنگ سے بھاگیں گے نہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا:

''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔''

اس طرح چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر باری باری بیعت کی۔ جب یہ بیعت ہو چکی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کا ذکر اور فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

”یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔“ (الفتح 18:48)

اسی لیے اس بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ قریش تک اس بیعت کی خبر پہنچی تو ان پر شدید خوف طاری ہو گیا۔ مسلمانوں کا رعب ان کے دلوں پر چھا گیا۔ انھوں نے صلح کی بات چیت کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ اس نے بہت تفصیل سے بات کی، آخر درج ذیل شرائط طے ہوئیں:

- رسول اللہ ﷺ اس سال مکے میں داخل نہیں ہوں گے، عمرہ نہیں کریں گے، آئندہ سال مکہ آئیں گے اور تین روز تک قیام کریں گے، ان کے ساتھ ہتھیار نہیں ہوں گے، صرف تلواریں ہوں گی جو میانوں میں رہیں گی۔
- دونوں فریق دس سال تک کوئی جنگ نہیں کریں گے۔
- کوئی شخص محمد ﷺ کے عہد میں داخل ہونا چاہے تو داخل ہو سکتا ہے، اسی طرح کوئی قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے۔
- قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا، مسلمان اسے قریش کے حوالے کر دیں گے لیکن مسلمانوں کا جو آدمی قریش کی پناہ میں آئے گا، قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

جب یہ شرائط طے کر لی گئیں تو ان کو تحریری شکل میں لانے کے لیے آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا، لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ سن کر سہیل نے کہا:

”ہم نہیں جانتے رحمان کیا ہے، آپ «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» لکھیں۔ رسول اللہ ﷺ

نے انھیں یہی لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے یہ لکھوایا:

''یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے۔''

اس پر سہیل نے کہا:

''اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، لہٰذا آپ لکھوائیں محمد بن عبداللہ۔''

اب آپ نے فرمایا:

''میں اللہ کا رسول ہوں، تم چاہے جھٹلاتے رہو۔''

پھر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مٹانا گوارا نہ کیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے خود اس کو مٹا دیا۔ پھر پوری تحریر کی دو کاپیاں لکھی گئیں تاکہ ایک کاپی مسلمانوں کے پاس رہے تو دوسری قریش کے پاس۔ اس صلح نامے کی یہ شرائط اگرچہ مسلمانوں کے حق میں سخت تھیں اور ان شرائط پر کچھ پرجوش مسلمانوں نے سوالات بھی اٹھائے۔ انھوں نے ان کو ماننے میں پس و پیش بھی کیا لیکن اللہ کے رسول ﷺ جب ان شرائط کو مان چکے تھے تو انکار کی جرأت کسے ہوتی، تاہم کچھ ہی مدت بعد سب کو احساس ہو گیا کہ یہ شرائط مسلمانوں کے لیے زحمت نہیں، رحمت ہیں اور ان کے حق میں سخت نہیں، موافق ہیں۔ اب تک مسلمان قریش سے یہی تو مطالبہ کرتے رہے تھے کہ انھیں دین کی اشاعت کی آزادی ہونی چاہیے۔ قریش ان کے راستے میں روڑے نہ اٹکائیں لیکن قریش مخالفت ہی پر ڈٹے رہے۔ اب حدیبیہ کی صلح سے مسلمانوں کے لیے دین کی اشاعت ممکن ہو گئی اور یہی مسلمانوں کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس صلح کو کھلی فتح قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾

''بلاشبہ ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی۔'' (الفتح 1:48)

بعد میں پیش آنے والے حالات نے اس صلح کو کھلی فتح ثابت کر دیا۔ ابھی یہ صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ اسی دوران میں قریشی نمائندے سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل بیڑیاں پہنے، ان کو کھینچتے وہاں کسی نہ کسی طرح آ گئے۔ انھیں اسلام لانے کی وجہ سے قید میں رکھا گیا تھا اور بیڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ یہ سوچ کر وہاں آئے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پناہ دیں گے اور مشرکوں کے حوالے نہیں کریں گے لیکن سہیل بن عمرو نے کہا:

''انھیں واپس مکہ بھیجا جائے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا۔''

جواب میں سہیل نے کہا:

''اس صورت میں میں یہ معاہدہ نہیں کروں گا۔''

آپ نے فرمایا:

''اچھا تم انھیں میری خاطر چھوڑ دو۔''

اس نے کہا:

''یہ بھی نہیں ہو سکتا۔''

یہ کہتے ہوئے سہیل نے ابوجندل کو مارا بھی۔ وہ چیخے:

"مسلمانو! کیا تم مجھے مشرکوں میں واپس بھیج دو گے تا کہ وہ مجھے میرے دین سے فتنے میں ڈالیں؟"

نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"صبر کرو! اللہ سے ثواب کی امید رکھو، اللہ تمھارے لیے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی پیدا فرمائے گا اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔"

اس طرح انھیں واپس بھجوا دیا گیا۔ اس صلح سے اسلامی دعوت پر بہت اچھا اثر ہوا۔ مسلمانوں کو عام عربوں سے ملنے کے مواقع نصیب ہونے لگے۔ وہ انھیں اللہ کی طرف دعوت دیتے۔ اس طرح لوگ کثرت سے مسلمان ہونے لگے۔ صرف دو سال میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہوگئی کہ انیس برسوں میں بھی نہیں ہو سکی تھی۔ یہ ترقی حیرت انگیز تھی۔ قریش کے بڑے بڑے اور بہترین لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ قریش کا نچوڑ تھے۔ ان میں سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم خود نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ انھوں نے اسلام کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا۔ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔"

بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین مکہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمسایہ ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے سے اسلام کی دعوت دی۔ آپ نے ایک خط روم کے بادشاہ قیصر کو لکھا، ایران کے بادشاہ کسریٰ کو بھی خط ارسال فرمایا۔ اسی طرح حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھا۔

ان کے علاوہ آپ نے شام کے غسانی بادشاہ حارث بن ابی شمر، مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ شاہِ مقوقس، یمامہ کے حاکم ہوذہ اور عمان کے حکمران کو بھی اپنے سفیروں کے ذریعے سے اسلام کی دعوت کے خطوط لکھوائے۔ ان خطوط کی عبارت نہایت مختصر، بہت سادہ لیکن جامع ہوتی تھی، مثلاً: نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے فلاں بادشاہ کے نام ہے۔

محمد اللہ کا بندہ اور رسول تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمھاری قوم بھی ہدایت سے محروم رہ جائے گی، اس لیے ان کی گمراہی کی ذمے داری بھی تم ہی پر ہوگی۔

یہ عام خطوط کا نمونہ ہے۔ شاہِ حبشہ نجاشی کو آپ نے جو خط لکھا، اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(یہ خط ہے محمد اللہ کے رسول کی طرف سے نجاشی اصحمہ شاہِ حبشہ کی جانب)

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں گواہی دیتا ہوں اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کی کوئی بیوی ہے، نہ لڑکا۔ (میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ) محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا رسول ہوں، لہٰذا اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو گے۔ 'اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں۔' اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔''

یہ خط آپ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ جب یہ خط نجاشی کے ہاتھوں میں پہنچا تو اس نے خط کو آنکھوں سے لگایا، تخت سے نیچے اتر آیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام قبول کرنے اور بیعت کر لینے کے بارے میں لکھا۔ پھر اُم المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی اور ان کا مہر چار سو دینار بھی اپنی طرف سے ادا کیا۔ اس کے بعد انھیں مہاجرین کے ساتھ دو کشتیوں میں سوار کر کے روانہ کیا۔ یہ حضرات خیبر میں آپ سے آ ملے۔

نجاشی نے 9 ہجری میں وفات پائی۔ جس روز ان کا انتقال ہوا، اسی روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان کی موت کی خبر دی، پھر آپ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مُقوقِس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام خط لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس سربراہِ قبط کی جانب)

''اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد:

میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے، اللہ تمھیں دہرا اجر دے گا لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ ہوگا۔

'اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''

یہ خط آپ نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اسکندریہ پہنچے، مقوقس سے ملے، اسے خط دیا، خود بھی اس سے بات چیت کی۔ مقوقس نے بہت ادب اور احترام سے ان کی بات سنی، خط کو پڑھا، پھر ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ کر اس پر مہر لگائی اور اس کو محفوظ کر لیا۔ اس نے جواب میں نبی کریم ﷺ کو خط بھی لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''ایک نبی باقی رہ گئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں، وہ ملک شام سے نکلیں گے۔''

اس کا مطلب ہے، اس نے اسلام قبول نہیں کیا، البتہ اس نے ماریہ اور سیرین دو لونڈیاں تحفے میں بھیجیں، ان لونڈیوں کا قبط میں بہت بڑا مرتبہ اور درجہ تھا۔ ان کے علاوہ اس نے کپڑے اور ایک خچر بھی ہدیے کے طور پر ان کے حوالے کیے۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے پسند فرمایا، دلدل کو بھی اپنے لیے منتخب فرمایا، جب کہ سیرین کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تحفے میں دے دیا۔

نبیٔ کریم ﷺ نے فارس کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام جو خط لکھا، اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ والیٔ فارس کی جانب)

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اس کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے بُرے انجام سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے (حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لے آؤ، سلامتی سے رہو گے اور اگر تم نے اس سے انکار کیا تو تم پر مجوسیوں کا بھی گناہ ہوگا۔''

یہ خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ یہ خط بحرین کے سربراہ کے حوالے کیا جائے، بحرین کا سربراہ اس خط کو کسریٰ کے حوالے کرے گا۔

یہ خط جب کسریٰ تک پہنچا تو اس بد بخت نے اس کو پھاڑ ڈالا، ساتھ ہی اس نے کہا:

''میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔''

جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی کہ کسریٰ نے خط کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اور یہ الفاظ کہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

''اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کے فرمان کے مطابق اس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ وہ ایسے کہ رومیوں نے اس پر چڑھائی کر دی اور اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس کے بعد خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد وہاں ٹوٹ پھوٹ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو گیا، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی لشکر نے اس ملک کو فتح کیا اور کسریٰ کی بادشاہت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

دمشق کے امیر کا نام حارث بن ابی شمر غسانی تھا۔ وہ قیصر کی طرف سے یہاں کا امیر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی جانب)

''اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہ پر ایمان لے آ! تیرا ملک تیرے لیے باقی رہے گا۔''

یہ خط آپ نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بھیجا۔ حارث نے غرور کے عالم میں ان سے کہا:

''مجھ سے میرا ملک کون چھینے گا؟''

پھر اس نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور شجاع رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ہماری تیاریوں کے بارے میں اپنے صاحب کو بتا دینا۔''

اس کے بعد اس نے قیصر کو حالات لکھے اور اس سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی لیکن قیصر نے اجازت نہ دی۔ تب اس نے شجاع رضی اللہ عنہ کو کچھ تحائف دے کر عزت سے رخصت کیا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصریٰ کے امیر کو بھی بذریعہ خط اسلام کی دعوت دی۔ اس کے نام خط سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ وہ جنوبی اردن کے علاقے بلقاء کے ایک مقام موتہ تک پہنچے تو ان کا سامنا شرحبیل بن عمرو غسانی سے ہوا جس نے انھیں شہید کر دیا۔

شرحبیل بن عمرو کا یہ اقدام انتہائی ظالمانہ تھا، اس لیے کہ قاصدوں کا قتل کسی صورت جائز نہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی قاصد روانہ فرمائے، ان میں سے

بس یہی شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت رنج پہنچا، آپ کو غصہ بھی شدید آیا۔ شرحبیل بن عمرو غسانی کے اس عمل کی وجہ ہی سے غزوۂ موتہ پیش آیا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

غزوۂ خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے محرم 7 ہجری میں خیبر کا ارادہ فرمایا۔ اس موقعے پر ان لوگوں نے بھی ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جو حدیبیہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے لیکن آپ نے اعلان فرمایا:

''میرے ساتھ وہی چلے جسے جہاد کی خواہش ہے، اس جہاد کے سلسلے میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا، اس میں سے شرکا کو کچھ نہیں ملے گا۔''

اس اعلان کے بعد خیبر کی طرف انھی لوگوں نے کوچ کیا جو آپ کے ساتھ حدیبیہ کے موقعے پر موجود تھے اور یہ چودہ سو صحابہ تھے۔

مدینہ منورہ سے خیبر کا فاصلہ 171 کلومیٹر ہے۔ اس زمانے میں پورا خیبر تین حصوں میں تقسیم تھا۔ ان تین حصوں کے نام نطاۃ، کتیبہ اور شق تھے۔ نطاۃ میں تین قلعے تھے۔ ان کے نام حصن ناعم، حصن صعب بن معاذ اور حصن قلعۃ الزبیر تھے۔ اس کے بعد شق میں دو قلعے تھے، حصن اُبَی اور حصن نزار۔ اسی طرح کتیبہ میں تین قلعے تھے۔ ان کے نام حصن قموص، حصن وطیح اور حصن سلالم تھے۔

ان کے علاوہ بھی خیبر میں کچھ قلعے اور گڑھیاں تھیں لیکن وہ چھوٹی تھیں، اتنی مضبوط اور طاقتور نہیں تھیں۔

سب سے پہلے آپ کے سامنے نطاۃ کے قلعے تھے۔ آپ نے ان کے مشرق میں اس جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں دشمن کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان تین قلعوں میں سے بھی پہلے آپ نے حصن ناعم پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا۔ بہت اونچائی

پر تھا اور چڑھائی بھی بہت مشکل تھی، گویا یہ یہودیوں کی پہلی دفاعی لائن تھی۔ اس قلعے میں یہودیوں کا بہادر مرحب موجود تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر طاقت کا مالک ہے۔ چند روز تک دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی، پھر نبیٔ کریم ﷺ نے فتح کی خوش خبری دیتے ہوئے ایک روز فرمایا:

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اب تو سب مہاجرین اور انصار دعا کرنے لگے کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ سب نے رات اسی آرزو میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

''علی کہاں ہیں؟''

آپ کو بتایا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے انھیں بلا بھیجا، ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی، ان کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں اور ایسی ٹھیک ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، پھر آپ نے جھنڈا انھیں دیا اور فرمایا:

''جنگ شروع کرنے سے پہلے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینا۔''

ادھر یہودیوں نے اس روز باہر نکل کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے اس فیصلے کے پیشِ نظر انھوں نے عورتوں اور بچوں کو شق کے قلعے میں بھیج دیا تھا، چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک پہنچے تو وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھے، آپ نے پہلے انھیں اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کرنے سے صاف

انکار کر دیا۔ پھر مرحب تلوار ہاتھ میں لیے فخر اور غرور کے عالم میں اٹھلاتا آگے آیا۔ اس نے مقابلے کی دعوت دی۔ اس وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، میں نے ہتھیار سجا لیے ہیں، بہادر اور تجربہ کار ہوں جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو۔''

سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، وہ کہہ رہے تھے:

''خیبر جانتا ہے، میں عامر ہوں، ہتھیار سجا چکا ہوں، میں طاقتور اور جنگجو ہوں۔''

اس کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ ایک دوسرے پر وار ہونے لگا۔ مرحب نے تلوار کا وار کیا، سیدنا عامر رضی اللہ عنہ نے ڈھال آگے کر دی۔ مرحب کی تلوار ان کی ڈھال کو پھاڑ کر اس میں پھنس گئی، اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر سیدنا عامر نے اس کی پنڈلی پر وار کیا مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی ۔ اس کی پنڈلی تک نہ پہنچ سکی، الٹا ان کے اپنے گھٹنے میں آ لگی۔ بعد میں وہ اسی زخم سے انتقال کر گئے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے وقت فرمایا:

''ان کے لیے دو گنا اجر ہے۔ یہ بہت بڑے جانباز مجاہد تھے۔ روئے زمین پر ان جیسا عرب شاید ہی کوئی ہوا ہو گا۔''

اب مرحب کے مقابلے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے، آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

''میں وہ شخص ہوں کہ جس کا نام اس کی ماں نے حیدر (شیر) رکھا ہے، میں جنگل کے شیر کی طرح خوفناک ہوں، میں انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔''

یہ کہتے ہوئے آپ نے اس کے سر پر تلوار ماری، یہ وار اس قدر زبردست تھا

کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر مقابلے کے لیے نکلا، وہ بھی مقابلے کے لیے للکارا۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے، انھوں نے یاسر کو بھی مرحب کے پاس پہنچا دیا۔

پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ زبردست مقابلہ ہوا۔ بے شمار یہودی مارے گئے۔ اتنی زیادہ ہلاکتوں کے سبب وہ حوصلہ ہار گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے قلعے پر قبضہ کر لیا، یہودی وہاں سے بھاگ کر اس کے نزدیک دوسرے قلعے حصن الصعب میں چلے گئے اور وہاں جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

حصن ناعم کے قلعے سے غلہ اور کھجوروں کا بہت بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اس قلعے کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے ''حصن الصعب'' کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ لشکر کی قیادت سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ تین دن کے محاصرے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح اور غنیمت کی دعا کی، پھر مسلمانوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر کار یہودی شکست کھا گئے، سورج غروب ہونے سے پہلے مسلمانوں کا قلعے پر قبضہ ہو چکا تھا۔ یہاں بھی مسلمانوں کو بہت سا غلہ اور مال ہاتھ آیا۔ اس قلعے میں سب سے زیادہ خوراک اور چربی تھی اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت مفید تھی کیونکہ مسلمان اس سے پہلے سخت بھوک کا شکار تھے، چنانچہ بہت سے لوگوں نے گدھے ذبح کر ڈالے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا، جن ہانڈیوں میں گوشت پک رہا تھا، آپ کا حکم ہونے کے بعد ان کو الٹ دیا گیا۔

اس قلعے سے بھاگ کر یہود نے قلعۃ الزبیر کا رخ کیا، یہ نطاۃ کا تیسرا قلعہ تھا، اب مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کرلیا، چار دن کے محاصرے کے بعد ایک یہودی نے آ کر مسلمانوں کی رہنمائی پانی کی اُن نالیوں تک کر دی جن سے یہودی پانی لے رہے تھے۔ اس طرح ان کا پانی بند ہو گیا، لہٰذا انھیں لڑنے کے لیے قلعے سے باہر نکلنا پڑا۔ یہاں بھی یہودیوں کو شکست ہوئی اور انھوں نے بھاگ کر ''شق'' کا رخ کیا، شق میں انھوں نے حصن ابی میں پناہ لی۔

مسلمان پیچھا کرتے وہاں پہنچے۔ یہاں پر سخت لڑائی ہوئی۔ پہلے ایک یہودی جنگجو نے میدان میں نکل کر دعوتِ مبارزت دی لیکن مارا گیا، دوسرا نکلا، وہ بھی مارا گیا۔

اس دوسرے یہودی کو قتل کرنے والے ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ نے یہودی کو قتل کرتے ہی قلعے کی طرف دوڑ لگا دی اور اس میں داخل ہو گئے، ان کے پیچھے مسلمان بھی داخل ہو گئے۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اندر جاتے ہی جنگ شروع کر دی تھی، ان کے بعد مسلمانوں نے ہلہ بول دیا۔ کچھ دیر تک جنگ ہوئی، پھر یہودی بھاگ نکلے۔ اس علاقے کا دوسرا قلعہ حصن نزار تھا، اب یہودی اس میں پہنچ گئے۔ حصنِ ابی میں بہت سی بھیڑیں، بکریاں اور دوسرا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

مسلمان آگے بڑھے اور ''حصن نزار'' کو گھیرے میں لے لیا، یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ یہودیوں نے یہاں اپنی حفاظت کے بہت زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔ ان انتظامات کی وجہ سے قلعے تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا، یہودیوں

کو تو پورا یقین تھا کہ مسلمان ان تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اس میں انھوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ رکھا تھا۔ جنگ کرنے کے لیے انھوں نے قلعے میں بے شمار پتھر جمع کر لیے تھے، چنانچہ انھوں نے اوپر سے تیر اور پتھر برسائے، اس طرح مسلمانوں کے خلاف سخت کارروائی جاری رکھی، آخر مسلمانوں کو بھی منجنیق نصب کرنا پڑی ۔ جب مسلمانوں نے منجنیق سے بڑے بڑے پتھر قلعے پر برسائے تو یہودیوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور ایسا رعب ان کے دلوں پر بیٹھا کہ انھیں اس قلعے سے بھی بھاگتے ہی بن پڑی ۔ اس قلعے سے مسلمانوں کو تانبے اور مٹی کے برتن ملے، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ان کو دھولو اور ان میں پکاؤ۔''

اب مسلمان'' قلعہ قموص'' کی طرف بڑھے ، یہ کتیبہ کا پہلا قلعہ تھا۔ اس کا محاصرہ تقریباً چودہ دن جاری رہا۔ بعض روایات کی رو سے بیس دن تک جاری رہا، پھر یہودیوں نے ہار مان لی۔ اس کے بعد باقی دو قلعے وطیح اور سلالم رہ گئے۔ یہودی ان کی طرف بھاگے، پھر جب مسلمان ان کی طرف بڑھے تو یہودیوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ وہ اپنے بیوی بچوں سمیت خیبر کی سرزمین سے چلے جائیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو یہاں تک اجازت دی کہ وہ سونے، چاندی، گھوڑے اور ہتھیار کے علاوہ اپنی سواریوں پر جو کچھ اور جتنا کچھ لاد سکتے ہیں، لے جائیں لیکن وہ کسی چیز کو چھپائیں گے نہیں۔ اگر کسی نے کچھ چھپایا تو اس سے ذمہ ختم ہو جائے گا اور اس کی گردن ماردی جائے گی، چنانچہ انھوں نے یہ قلعے بھی مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ مسلمانوں کو ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں،

ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں ہاتھ آئیں۔ تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے، جب انھوں نے یہ صحیفے مانگے تو انھیں واپس دے دیے گئے۔ حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کو قیدیوں میں شامل کرلیا گیا۔ یہ کنانہ کے نکاح میں تھیں۔

اس غزوے میں 39 یہودی مارے گئے جب کہ شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد 15 سے 18 تک تھی۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نجاشی کے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر گئے تھے۔ وہ وہاں سے واپس لوٹے تو ان کے ساتھ دوسرے مہاجرین بھی روانہ ہوئے تھے۔ وہ مہاجرین جنھوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہیں رک کر حالات کے بہتر ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اب یہ بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک جماعت نے خیبر کا رخ کیا کیونکہ انھیں اطلاع مل گئی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں ہیں۔ ان مہاجرین میں سیدنا جعفر بن ابی طالب اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا لیکن مالِ غنیمت کی تقسیم ابھی باقی تھی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اندازہ نہیں لگا سکتا کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کی آمد کی۔''

پھر جب مال تقسیم ہونے کا وقت آیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں سے حصہ مرحمت فرمایا۔ ان کے ساتھ آنے والوں کو بھی حصہ دیا گیا۔

خیبر کی فتح کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ

اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب آپ خیبر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے خیبر کا رخ کیا لیکن جب یہ وہاں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا، اس لیے یہ جہاد میں حصہ نہ لے سکے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔

خیبر کے قیدیوں میں سیدہ صفیہ (رضی اللہ عنہا) شامل تھیں۔ یہ دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ (رضی اللہ عنہا) آپ کے لائق ہیں، وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی بیٹی ہیں۔ آپ نے یہ بات سنی تو انھیں بلایا، انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا، آپ نے انھیں آزاد کر دیا اور ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

خیبر کی وادی فتح ہونے کے بعد وادی القریٰ بھی فتح ہوگئی تو فدک اور تیماء کے باشندوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔ صفر 7 ہجری کے آخر یا ربیع الاول کے شروع میں آپ مدینہ منورہ پہنچے۔

غزوۂ ذات الرقاع

خیبر سے مدینہ آنے کے بعد ابھی آپ نے اطمینان کا سانس لیا ہی تھا کہ آپ کو اطلاع ملی بنوانمار، بنوثعلبہ اور بنومحارب کے بدو جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے اس وقت ان کے خلاف اٹھنے کی تیاری کر لی۔ مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ پھر صحابہ کی جماعت کو لے کر مدینہ سے نکلے، دو دن کے فاصلے پر مقام ''نخل'' ہے، وہاں پہنچے۔ آپ کے ساتھ سات سو صحابہ تھے۔ اس مقام پر بنوغطفان سے آمنا سامنا ہو گیا۔ دونوں فریق نزدیک آ گئے لیکن جنگ نہ چھڑی۔ معاملہ ایک دوسرے کو ڈرانے تک رہا۔ نماز کا وقت ہوا تو نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ جماعت پیچھے ہٹ گئی۔ اب دوسری جماعت آگے بڑھی۔ آپ نے دو رکعت انھیں پڑھائی۔ اس طرح آپ کی چار رکعت ہو گئیں جب کہ لشکر نے دو دو رکعت پڑھیں۔ یہ صَلاۃِ خوف تھی۔ احادیث میں اس کی اور بھی صورتیں آئی ہیں۔

دشمن پر اللہ نے خوف طاری کر دیا۔ وہ منتشر ہو گئے۔ آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس غزوے میں مسلمانوں کے پیر پیدل چلنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے۔ ان زخموں پر انھوں نے چیتھڑے لپیٹ لیے تھے، اس لیے اس غزوے کا نام ''ذات الرقاع'' مشہور ہو گیا کیونکہ چیتھڑوں کو عربی میں رقاع کہتے ہیں۔

عمرۃ القضاء

سات ہجری میں نبیٔ کریم ﷺ عمرے کے لیے تشریف لے گئے۔ معاہدے کے مطابق قریش نے آپ کو طواف کی اجازت دے دی۔ مشرکین کا خیال تھا کہ مدینہ منورہ میں رہنے سے مسلمان کمزور ہو گئے ہوں گے، چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑ کر چلیں، اس طرح چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ یہ سنت آج بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گی۔

معاہدے کی وجہ سے قریش نے عمرے کی اجازت دے تو دی تھی لیکن یہ بات ان کی برداشت سے باہر تھی، لہٰذا مارے غصے کے ان کا برا حال تھا۔ قریش کے بڑے بڑے لوگ شہر کو خالی کر کے خانہ کعبہ کے شمال میں قعیقعان پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر یہ معاہدہ بھی ہوا تھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ آئندہ سال عمرہ کریں گے۔ اس سلسلے میں سب لوگ تین دن تک یہاں ٹھہریں گے اور تین دن گزار کر واپس چلے جائیں گے، چنانچہ اس معاہدے کی رو ہی سے آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ روانہ ہوتے وقت آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو صحابہ غزوۂ حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی عمرہ ادا کرنے سے نہ رہ جائے، چنانچہ سب لوگ عمرہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے۔ چنانچہ سارا اسلحہ مکہ سے آٹھ میل دور ایک مقام پر رکھ دیا گیا تھا اور دو

سوسوار اس کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ دیے گئے تھے۔اس طرح آپ حرم کی طرف بڑھے۔

معاہدے کے مطابق نبیٔ اکرم ﷺ تین دن تک مکہ معظّمہ میں ٹھہرے۔آپ نے اس دوران میں سیدہ میمونہ بنتِ حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی بھی کی۔تین دن بعد قریش کی طرف سے آپ کو پیغام ملا کہ مدت پوری ہو چکی ہے، لہٰذا مسلمان مکہ سے چلے جائیں۔پیغام ملتے ہی آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔

غزوۂ موتہ

شام کے ایک قصبے کا نام موتہ تھا۔ اس علاقے کے سردار شرحبیل بن عمرو غسانی نے نبیٔ کریم ﷺ کے سفیر سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کرا دیا تھا۔ وہ آپ کا خط لے کر گئے تھے۔ اس طرح سفیروں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی، چنانچہ آپ نے اسے سزا دینے کا فیصلہ فرمایا، آپ نے اس کے مقابلے میں تین ہزار صحابہ کی فوج روانہ فرمائی۔ شرحبیل کو اطلاع ملی تو اس نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔

اب یہ ایک اتفاق تھا کہ بادشاہ ہرقل اس وقت اس علاقے میں آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔ وہ دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آس پاس کے قبائل، مثلاً: لخم، جذام، بہرام اور بلی قیس وغیرہ بھی ایک لاکھ آدمیوں کے ساتھ بادشاہ کے گرد موجود تھے، اس لیے غسان کے حاکم شرحبیل نے بادشاہ سے مدد کے لیے کہا اور قبائل کو بھی پیغام بھیج دیا۔ اس طرح اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہو گئی۔ اور مسلمان صرف تین ہزار تھے، تاہم وہ لڑے اور بہت جواں مردی سے لڑے۔ لشکر کے سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے ان کی پرورش کی تھی۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں پر ایک لاکھ عیسائیوں کا دباؤ تھا۔ اس دباؤ کے باوجود سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے زبردست مقابلہ کیا، آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد جھنڈا سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے۔ اس وقت ان کی عمر 33 سال تھی۔ جنگ کے دوران میں انھوں نے نوے کے قریب زخم کھائے، آخر شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی قیادت سنبھالی، یہ بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تب مسلمانوں نے اپنا سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ آپ نے فوج کی کمان سنبھالی اور ڈیڑھ دن کی زبردست جنگ کے بعد دشمن کی فوج کو ناکوں چنے چبوا ڈالے۔ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئی جب کہ وہ چالیس گنا تھی۔ اس جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

اس جنگ کی خاص بات یہ تھی کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھے لڑائی کا حال بیان فرما رہے تھے۔ اور جس دن تینوں سالار شہید ہوئے تھے، اسی دن آپ نے ان کی شہادت کا حال بیان فرما دیا تھا۔ اسی جنگ کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کو دو سال گزر چکے تھے۔ ایسے میں کفار نے معاہدے کی خلاف ورزی کی، اس وقت ہجرت کو آٹھ سال ہونے والے تھے۔ ہوا یہ کہ قبیلہ بنو بکر کفار کا حلیف تھا۔ اس قبیلے نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس حملے میں بنو خزاعہ کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، انھوں نے امان مانگی لیکن بنو بکر نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔ آخر وہ بھاگ کر خانہ کعبہ میں چلے گئے لیکن ان ظالموں نے حرم کا بھی احترام نہ کیا، یہاں بھی انھیں خوب قتل کیا۔ وہ بے چارے انھیں اللہ کے واسطے دیتے رہے اور بنو بکر جواب میں کہتے رہے: آج الہ کوئی چیز نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔

ان میں سے چالیس آدمی بھاگ کر اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ باقی سب کے سب مارے گئے۔ یہ چالیس آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان پر جو ظلم ہوا تھا، اس کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کی۔ ان میں ایک شاعر بھی تھا۔ اس نے ایک درد بھری نظم سنائی۔ اس نظم میں سارے واقعات سمو دیے گئے تھے۔ اس نظم کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

قریش نے آپ سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی۔

انھوں نے اس معاہدے کو توڑ ڈالا۔

ہمیں اس طرح روندا جیسے ہم خشک گھاس ہوں۔

ان کا خیال ہے، کوئی ہماری مدد کو نہیں آئے گا۔

گویا ہم ذلیل ہیں اور تھوڑے بھی۔
انھوں نے وتیر پر رات میں حملہ کیا اور
ہمیں رکوع اور سجود کی حالت میں قتل کیا۔

آپ نے ساری روداد سنی۔ اس سے صاف ظاہر تھا، قریش نے معاہدے کو توڑ دیا ہے اور قریش کو بھی بعد میں خیال آیا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ غلطی کا احساس ہونے پر انھوں نے ابوسفیان کو بھیجا تاکہ معاہدہ بحال ہو جائے لیکن یہ ان کی ایک سیاسی چال تھی، چنانچہ آپ نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دیا۔ گویا دوبارہ معاہدہ نہ ہو سکا۔

اب جب کہ قریش معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اس کو ختم کر چکے تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے کفار کی سازشوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس اقدام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کفار کو مسلمانوں کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو جائے اور آئندہ وہ کسی صورت بھی مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت نہ کر سکیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ ہجرت کے آٹھویں سال، رمضان المبارک میں دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوئے۔

مکے سے چند میل کے فاصلے پر نبی کریم ﷺ نے پڑاؤ کیا اور حکم دیا کہ سب لوگ الگ الگ آگ روشن کر لیں۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ کفار کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ ہو جائے اور بلاوجہ خون خرابہ نہ ہو، یعنی وہ مسلمانوں کی طاقت اور کثرت دیکھ کر ہی ڈر جائیں اور بغیر مقابلے کے شکست مان لیں، یہ بہت زبردست تدبیر تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سمجھائی تھی۔ رات کے وقت

جب پورے لشکر نے الگ الگ آگ روشن کی تو کفار کے دل ہل گئے، ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ جنگ کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے، پھر رات ہی میں ابوسفیان نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اس سے کفار کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی کیونکہ ابوسفیان ان کے سردار تھے۔ پھر نبیٔ کریم ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے یہ اعلان کرایا:

- ''جو کوئی ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو کوئی خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے' اسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو کوئی ابوسفیان کے گھر جا رہے' اسے قتل نہ کیا جائے۔
- جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے' اسے قتل نہ کیا جائے۔
- بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
- زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔
- اسیر (قیدی) کو قتل نہ کیا جائے۔''

پھر صبح سویرے رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہوئے۔ آپ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وادی کے تنگ راستے پر پہاڑ کے ناکے کے قریب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو روکے رکھیں۔ اس جگہ سے سارے لشکر کو گزرنا تھا۔ آپ نے یہ حکم اس لیے دیا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اللہ کے اس لشکر کی شان تو دیکھ سکیں۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ لشکر گزرنے لگا۔ تمام قبائل اپنے اپنے پرچم لیے ہوئے تھے۔ جب بھی کوئی پرچم بردار سامنے سے گزرتا، ابوسفیان پوچھتے:

''عباس! یہ کون لوگ ہیں؟''

جواب میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ انھیں بتاتے:

''یہ بنو فلاں ہے (فلاں قبیلہ ہے)۔''

پھر ان کے سامنے سے انصار کا دستہ گزرا۔ اس کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھامے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا:

''ابوسفیان! آج خون ریزی اور مار کاٹ کا دن ہے۔ کعبے کو حلال کیا جائے گا۔''

جواب میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بولے:

''عباس! آپ کو یہ دن مبارک ہو۔ پامالی مبارک ہو۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سبز دستے کے ساتھ تشریف لاتے نظر آئے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''یہ کون لوگ ہیں؟''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یہ مہاجرین اور انصار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔''

یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے:

''بھلا ان سے جنگ کرنے کی کس میں ہمت ہے، تمھارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت زبردست ہے۔''

اس کے جواب میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔''

اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے:

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

اب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ والی بات بتائی۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

''سعد نے غلط کہا۔ آج کعبے کی تعظیم کی جائے گی، آج کعبے کو غلاف پہنایا جائے گا۔''

پھر آپ نے پرچم سیدنا سعد کے ہاتھ سے لے کر ان کے صاحب زادے قیس کے حوالے کر دیا۔ آپ وہاں سے آگے بڑھے تو ذی طویٰ پہنچے۔ اس وقت آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ''کدی'' کے راستے مکے میں زیریں حصے سے داخل ہوں۔ سیدنا خالد بن ولید لشکر کے میسرہ پر سالار تھے۔

آپ نے انھیں حکم دیا کہ کوئی مقابلے پر آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں اور آپ سے صفا پر آملیں۔

لشکر کے میمنہ پر آپ کے علم بردار سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ کداء کے راستے بالائی حصے سے مکے میں داخل ہوں اور حجون میں آپ کا پرچم نصب کریں۔ آپ نے انھیں یہ حکم بھی دیا کہ آپ کی آمد تک وہ وہیں ٹھہریں۔

پیادہ فوج کے سالار سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے دستے میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ بطنِ وادی کے راستے پر ہولیں اور مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جا اتریں۔

ان حالات میں قریش نے کچھ اوباش لوگوں کو آپ کے مقابلے پر روک دیا، ساتھ ہی ان سے کہا:

''اگر تم لوگوں کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی تو ہم بھی تمھارے ساتھ آملیں گے ورنہ جو مطالبہ بھی مسلمان کریں گے، وہ مان لیں گے۔''

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک پہنچے تو ان سے ایک معمولی سی جھڑپ ہوئی، ان اوباشوں میں سے بارہ آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ اس کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ کے گلی کوچوں سے ہوتے ہوئے صفا پہاڑی تک جا پہنچے، اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ ان کے دستے کے دو آدمی البتہ دستے سے بچھڑ گئے۔ وہ دشمن کے ہاتھ لگ گئے اور شہید کر دیے گئے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حجون پہنچ کر مسجدِ فتح کے پاس آپ کا پرچم نصب کیا، وہاں انھوں نے ایک خیمہ بھی نصب کر دیا۔ اس خیمے میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے قیام فرمایا۔ یہ لوگ وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے تھوڑی دیر تک آرام فرمایا، پھر آگے بڑھے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ان سے بات کر رہے تھے۔ آخر آپ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، اس وقت آپ سورۂ فتح کی تلاوت کر رہے تھے، پھر آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ اس وقت حالتِ احرام میں نہیں تھے۔ بیت اللہ میں اس وقت 360 بت تھے۔ آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی سے ان بتوں کو ضربیں لگا رہے تھے اور فرما رہے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔'' (بنی اسرائیل 81:17)

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾

''حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار اُبھرا نہ دوبارہ ابھرے گا۔'' (سبا 49:34)

نبی کریم ﷺ جب یہ فرماتے ہوئے ضربیں لگا رہے تھے تو بت منہ کے بل گرتے جا رہے تھے۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان کے پاس کعبے کی چابی تھی۔ آپ نے ان سے چابی لے لی اور کعبے کو کھولنے کا حکم دیا۔ اندر جو بت تھے، ان کو بھی نکلوایا اور انھیں توڑ دینے کا حکم دیا۔ تصاویر کو بھی مٹا دینے کا حکم دیا، پھر آپ دروازے کے سامنے دیوار سے تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ اس طرح آپ کے دائیں طرف ایک ستون تھا، دوسرا ستون بائیں طرف تھا اور آپ کے پیچھے تین ستون تھے۔ اس جگہ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے بیت اللہ میں گھومتے ہوئے اللہ کی تکبیر اور توحید کے کلمات کہے، پھر آپ نے دروازہ کھولا۔ قریش مسجدِ حرام میں صفیں باندھے ادب سے کھڑے تھے۔ نبی کریم ﷺ دروازے کو دونوں طرف سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فصاحت و بلاغت سے لبریز یہ خطبہ دیا:

''قریش کے لوگو! تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''

اس پر وہ یک زبان ہو کر بولے:

''آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔''

اب آپ نے فرمایا:

«لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''آج تم سے کوئی باز پُرس نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔''

اس کے بعد آپ نیچے تشریف لائے اور مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔ کعبے کی چابی واپس عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو دی اور ان سے فرمایا:

''یہ چابی اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو، تم سے اس چابی کو وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔''

نبوت کے ابتدائی دنوں میں جب کہ آپ نے دین کی تبلیغ کا کام شروع کیا ہی تھا، ایک روز آپ نے انھی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو لیکن انھوں نے کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت آپ نے ان سے فرمایا تھا:

''تم دیکھ لو گے کہ ایک دن یہ چابی میرے پاس ہوگی اور میں جسے چاہوں گا، یہ چابی عطا کروں گا۔''

اس پر عثمان بن طلحہ نے حیران ہو کر کہا تھا:

''کیا اس دن قریش کے سبھی مرد ذلیل اور تباہ ہو جائیں گے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا تھا:

''نہیں، وہ اور بھی زیادہ عزت اور اقبال والے ہوں گے۔''

چاشت کے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ آپ نے غسل فرمایا، پھر آٹھ رکعت نماز ادا کی، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا۔ ادھر امِ ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو دیوروں کو گھر میں پناہ دے رکھی تھی۔ انھیں وہاں پا کر

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنا چاہا تو امِ ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ان دونوں کو پناہ دے رکھی ہے۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی۔''

پھر ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ انھوں نے اذان دی۔ یہ گویا دین کا غلبہ ہو جانے کا اعلان تھا۔

آپ مکے میں اُنیس دن تک ٹھہرے۔ اس دوران میں آپ نے اسلام کے آثار کی تجدید کی۔ مکے کو آثارِ جاہلیت سے پاک کیا۔ حرم کے ستون پھر سے نصب کیے، یہاں تک کہ آپ کی طرف سے اعلان ہوا:

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے گھر کو بتوں سے پاک کر دے، ان کو توڑ دے۔''

اس طرح آپ نے مختلف صحابہ کو بھیج کر بتوں اور بت خانوں کو مسمار کرا دیا جس سے مکہ مکرمہ بتوں کی نجاست اور پلیدی سے پاک صاف ہو گیا۔

غزوۂ حنین

مکے کی فتح کے بعد اگرچہ بہت سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلۂ ہوازن اور ثقیف ابھی تک کفر پر اڑے ہوئے تھے۔ نہ صرف یہ کہ اڑے ہوئے تھے بلکہ انھوں نے اپنے ساتھ چند اور قبائل کو ملا کر چار ہزار کا لشکر تیار کر لیا تھا اور وہ مسلمانوں سے جنگ کا فیصلہ کر چکے تھے۔

نبیٔ کریم ﷺ کو ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے تحقیق کی خاطر ایک صحابی کو روانہ فرمایا، انھوں نے واپس جا کر اطلاع کو درست قرار دیا۔ آپ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ آپ کے ساتھ تو پہلے بھی دس ہزار صحابہ مدینہ منورہ سے آئے تھے، دو ہزار مکے کے مسلمان شامل ہو گئے، اس طرح بارہ ہزار کا لشکر تیار ہو گیا۔ اس کثرت کو دیکھ کر بعض نوجوانوں نے یہ جملہ کہہ دیا:

''آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔''

یہ بات نبیٔ اکرم ﷺ کو ناگوار محسوس ہوئی۔ شام کے وقت ایک سوار آپ تک پہنچا، اس نے بتایا:

''بنو ہوازن عورتوں، بچوں اور اونٹ بکریوں سمیت نکل کھڑے ہوئے ہیں،

یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا:

''یہ سب کچھ ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوگا۔''

آخر آپ حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ 10 شوال 8 ہجری کو وہاں پہنچے، یہ وادی مکہ سے تیس میل دور ہے۔ وادیٔ حنین میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ

نے صبح سویرے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ مہاجروں کا پرچم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپا۔ اوس کا پرچم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور خزرج کا پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ چند اور پرچم دوسرے قبائل کو دیے۔ آپ نے دو زرہیں زیب تن فرمائیں، سر اور چہرے پر خود لگائی، آخر لشکر روانہ ہوا۔

ہراول دستہ وادی میں اترنے لگا۔ ادھر دشمن نے چال چلی تھی۔ اس نے اپنے لشکر کو دائیں بائیں پہاڑوں کے درمیان چھپا دیا تھا تاکہ اچانک نکل کر حملہ کر دیں۔ مسلمان ان کی چال سے لاعلم تھے۔ لشکر وادی میں اتر ہی رہا تھا کہ چھپے ہوئے دشمن نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس نے تیروں کی بارش کر دی۔ یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ حواس باختہ ہو گئے۔ بری طرح پسپا ہوئے، البتہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور انصار ثابت قدم رہے۔ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ آپ تو اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس حالت میں آپ کہتے جاتے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔''

پھر آپ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

''مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ ان کی آواز سنتے ہی مسلمان ہر طرف سے آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی، فرشتوں کا لشکر اتارا، مسلمانوں نے پلٹ کر دشمن پر زبردست حملہ

کیا۔ آپ نے فرمایا:

''اب چولھا گرم ہوگیا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے ایک مٹھی مٹی کی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ»

''چہرے بگڑ جائیں۔''

وہ مٹی ان کی آنکھوں میں بھر گئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی تلواریں بے کار ہو گئیں۔ وہ پسپا ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کیا، ساتھ ہی وہ انھیں مارتے کاٹتے رہے۔ ان میں سے بہت سے گرفتار ہوئے۔ عورتیں اور بچے بھی پکڑے گئے۔ اس غزوے میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے، تاہم اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین پر ایک بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات مسلمانوں پر ہیں، لہٰذا بہت سے مشرک مسلمان ہوگئے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت اور قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ تعداد کے لحاظ سے مالِ غنیمت کی تفصیل یہ تھی: تقریباً 24 ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی، یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم مالیت کی۔ عورتیں اور بچے چھ ہزار کے قریب تھے۔ ان سب کو جعرانہ میں جمع کر کے مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر کیا گیا۔

غزوۂ طائف

غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر نبی ﷺ نے طائف کا رخ فرمایا۔ طائف تقریباً مکہ سے ساٹھ میل دور ہے۔ پہاڑ کے دامن میں یہ ایک سرسبز علاقہ ہے۔ طائف پہنچ کر آپ نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ آخر آپ نے محاصرہ ختم کر دیا اور خود جعرانہ تشریف لے آئے۔ یہاں مالِ غنیمت جمع تھا۔ آپ نے اس مقام پر دس دن سے زیادہ قیام فرمایا اور مالِ غنیمت تقسیم نہ فرمایا۔ دراصل آپ چاہتے تھے کہ قبیلۂ ہوازن کے لوگ لوٹ آئیں اور توبہ کرلیں تو آپ ان کے مال اور قیدی واپس کر دیں لیکن وہ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر کمزور مسلمانوں کو دیا، یا پھر کچھ ایسے لوگوں کو دیا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے تاکہ وہ اسلام کو پسند کرنے لگیں۔

آپ کے اس عمل پر انصار کو حیرت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو تو ان کے اندازے سے بھی زیادہ عطا فرمایا ہے اور خود انصار کو کچھ بھی نہیں دیا۔ بعض انصار اس پر تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکے، انھوں نے کہا:

''یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں جبکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔''

انصار کی یہ بات سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے آپ کو معلوم ہوئی، تب آپ نے صرف انصار کو ایک طرف جمع فرمایا۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، اللہ نے آپ پر جو احسان فرمایا تھا، اس کا ذکر فرمایا، پھر آپ

نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے انصار! تم دنیا کی ایک حقیر سی گھاس کے لیے ناراض ہو گئے۔ میں نے تو اس کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں کو موڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تمھیں تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار! کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کے ساتھ اپنے گھروں کو جاؤ، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راستے پر چلیں اور صرف انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار ہی کے راستے پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔''

اس خطاب پر انصار اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں، بے اختیار بول اٹھے:

''ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ ﷺ آئیں۔''

اس کے بعد نبی کریم ﷺ واپس آ گئے اور انصار بھی واپس ہو گئے۔

بنی سعد کے ایک سردار زہیر رضی اللہ عنہ نے آگے آ کر کہا:

''اللہ کے رسول ﷺ! بنی سعد سے آپ کا رضاعی تعلق ہے اور یہ لوگ غلام بنا لیے گئے ہیں، جب کہ یہ آپ سے رحم کی امید کر رہے ہیں۔''

یہ سن کر آپ نے عبدالمطلب کی اولاد کے حصے میں جتنے غلام اور لونڈیاں آئے تھے، سب آزاد کر دیے۔ جب اس بات کا علم مسلمانوں کو ہوا تو انھوں نے بھی اپنے غلام آزاد کر دیے۔ اس طرح چھ ہزار قیدیوں کو آزادی نصیب ہوئی۔

مالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر ذی قعدہ 8 ہجری میں آپ نے عمرے کا احرام باندھا۔ اسی کو عمرۂ جعرانہ کہا جاتا ہے۔ عمرے سے فارغ ہوئے تو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی ذی قعدہ کے چھ یا تین دن باقی تھے کہ آپ مدینہ پہنچ گئے۔

محرم 9 ھ میں مدینہ منورہ میں اطلاع آئی کہ بنو تمیم قبائل کو ورغلا رہے ہیں اور انھیں جزیہ ادا نہ کرنے پر اُکسا رہے ہیں۔ اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے پچاس سواروں کا دستہ بھیجا۔ انھوں نے بنو تمیم پر صحرا میں حملہ کیا۔ ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور کچھ بچے گرفتار کر لیے گئے۔ یہ حضرات گرفتار شدگان کو مدینہ لے آئے۔ پھر بنو تمیم کے دس سردار مدینہ آئے۔ انھوں نے تقریر کے مقابلے کی دعوت دی، چنانچہ ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے خطبہ دیا۔ اس کا جواب سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے دیا۔ پھر ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اشعار پڑھے۔ اس کے اشعار کا جواب سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیا۔ بنو تمیم کے سردار مسلمانوں کی شاعری کے قائل ہو گئے۔ انھوں نے اسلام کے خطیب اور شاعر کی فضیلت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف ان کے قیدی واپس کر دیے بلکہ انھیں تحائف بھی عطا فرمائے۔

غزوۂ تبوک

نبیٔ کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ روم کا بادشاہ ہرقل مسلمانوں سے جنگ کی زبردست تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے آگے بڑھ کے اس سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا، چنانچہ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دے دیا، حلیف قبائل کو بھی پیغام بھیج دیا کہ وہ بھی تیاری کر لیں۔

ایسے میں منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے: اس جنگ کے لیے جانا، موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے کیونکہ یہ جنگ عربوں سے نہیں، قیصر روم سے ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ نے مال دار صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ غریب لوگوں کو تیاری میں مدد دیں۔ اس سلسلے میں چندہ جمع کیا گیا، چنانچہ جس سے جتنا ہو سکا لے آیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان اٹھا لائے جو چار ہزار درہم کے برابر تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے پوچھا:

”گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟“

انھوں نے جواب میں عرض کیا:

”اُن کے لیے اللہ اور اس کے رسول (کی محبت) کو چھوڑ آیا ہوں۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دس ہزار دینار، پالان اور کجاوے سمیت تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے دیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نو سو اونٹ اور ایک سو پچاس

گھوڑے دیے۔ اس پر نبیٔ اکرم ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا:

''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں، انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آٹھ ہزار درہم لائے۔ سیدنا طلحہ، سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اپنی طاقت کے مطابق مال لے کر آئے۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق، یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو کھجوریں دیں۔ بقیہ صحابہ نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق صدقات کے ڈھیر لگا دیے۔ جو غریب تھے، وہ بھی پیچھے نہ رہے، یہاں تک کہ کسی نے ایک مد تو کسی نے دو مد دیے۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر بھیج دیے۔

تنگ دست صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے سواری طلب کرنے آئے، آپ نے فرمایا:

''میرے پاس کچھ نہیں ہے جس پر میں آپ لوگوں کو سوار کروں۔''

یہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اس افسوس میں اشکبار تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہ پا سکے، چنانچہ ان کے لیے سیدنا عثمان اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نے انتظامات کیے۔

آخر لشکر روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، پھر لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔

تبوک شام کی سرحد پر واقع ہے۔ اسلامی لشکر اس شان سے روانہ ہوا کہ سب سے بڑا جھنڈا آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا تھا، پھر ہر قبیلے کا جھنڈا اس کے سردار کے ہاتھ میں تھا۔

اسلامی لشکر چودہ دن کے سفر کے بعد تبوک پہنچا۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ قیصرِ روم کو

غزوۂ تبوک

جب مسلمانوں کی زبردست جنگ کی تیاریوں کی اطلاع ملی اور لشکر کے روانہ ہونے کی خبریں اس تک پہنچیں تو وہ حوصلہ ہار گیا، اس نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا، میدان میں آیا ہی نہیں۔ اس کے ماتحت حکام نے یہ دیکھ کر آپ سے امان طلب کر لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کو جنگ کے بغیر فتح حاصل ہوگئی۔ آپ نے تبوک میں تقریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر آپ واپس آ گئے۔

الوداعی حج

ذوالقعدہ کے مہینے میں نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف سے اعلان ہوا کہ اس سال ہم حج کو جائیں گے۔ چونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا، اس لیے اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہا جاتا ہے۔

لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب آپ روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے۔ آپ نے قربانی کے لیے سو اونٹ ساتھ لیے تھے۔ آپ مکہ معظّمہ میں 4 ذوالحجہ اتوار کے روز داخل ہوئے۔ سب سے پہلے آپ خانہ کعبہ میں گئے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ وہاں سے آپ صفا پہاڑی پر آئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا:

''جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو، وہ احرام کھول دے۔''

ذوالحجہ کی 8 تاریخ کو، یعنی ترویہ کے دن آپ مکہ سے منیٰ تشریف لے گئے۔ 9 ذی الحجہ کی صبح تک آپ وہاں ٹھہرے رہے۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچ نمازیں وہاں ادا کیں اور سورج طلوع ہونے تک وہیں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد عرفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ وہاں پہنچے تو وادیٔ نمرہ میں آپ کے لیے قبہ تیار تھا۔ آپ اسی میں ٹھہرے۔ سورج ڈھل گیا تو آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر بطنِ وادی میں تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں

مارتا سمندر تھا۔ آپ نے اس عظیم اجتماع کو ایک جامع خطبہ دیا۔ جو لوگ خطبے کے جملوں کو سنتے، وہ دوسروں تک پہنچاتے اور سنانے کے لیے ان جملوں کو بلند آواز سے دہراتے۔ آپ نے فرمایا:

''جو لوگ یہاں موجود نہیں، یہاں موجود لوگ اُن تک پہنچا دیں۔''

آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، اس کے بعد یوں خطبہ دیا:

''لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو! کیونکہ مجھے یقین نہیں کہ آئندہ سال یا اس کے بعد ہماری اس مقام پر پھر ملاقات ہو۔ لوگو! جس طرح یہ دن، یہ مہینا اور یہ شہر حرمت والا ہے، اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال تم پر حرام ہیں۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی ہے۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے ہیں۔ اور ہمارے خون میں سے جو پہلا خون ہے، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، میں اس کا خون معاف کر رہا ہوں (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انھی دنوں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا)۔ جاہلیت کا سود بھی ختم کر دیا گیا ہے، چنانچہ پہلا سود جو میں ختم کر رہا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔

لوگو! تم پر عورتوں کا حق ہے، اسی طرح تمھارا حق ان پر ہے، عورتوں سے بھلائی کرو، تمھیں بہت جلد اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

خبردار! خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ تمھارے بعد کوئی اور امت پیدا ہوگی۔

خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرنا، پانچ وقت نماز ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اپنے مالوں کی زکاۃ دینا، مسلمان محکوم ہوں یا آزاد، تمام کے تمام برابر کی ذمے داریاں اور حقوق رکھتے ہیں۔ فضیلت اگر ہے تو دین کے اعمال کے اعتبار سے ہے ورنہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، تم اپنے غلاموں کو وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انھیں وہ پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، ان پر ظلم نہ کرو اور ان کا حق نہ چھینو۔

تمھیں چاہیے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کردو، دوسروں پر ظلم نہ کرو تاکہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے۔ سود حرام ہے۔ شیطان اس سرزمین میں اپنی پوجا سے مایوس ہو گیا ہے (اب یہاں شیطان کی عبادت نہیں ہو گی) لیکن چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس کی اطاعت کی جائے گی، لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچنا۔

میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

لوگو! اپنے رب کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا، تم ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت پالو گے۔

اور ہاں! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بھلا تم کیا جواب دو گے؟"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا:

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ الفاظ سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا:

''اے اللہ گواہ رہ۔''

آپ کے الفاظ دوسروں تک ربیعہ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز کے ذریعے سے پہنچا رہے تھے۔ آپ خطبے سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے میدانِ عرفات ہی میں دین کے مکمل ہو جانے کی آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔'' (المائدہ 5:3)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو رونے لگے۔ آپ سے پوچھا گیا:

''یہ رونے کا کون سا موقع ہے؟'' آپ نے جواب میں فرمایا:

''اس لیے رو رہا ہوں کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔''

خطبے کے بعد آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان کہیں، انھوں نے اذان کہی، پھر اقامت کہی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پھر اقامت کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز ادا نہیں کی گئی، پھر آپ اپنی جائے وقوف پر آ گئے۔

آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ چٹانوں کی طرف کر لیا، ریت کے ٹیلوں کو

سامنے کے رخ پر کیا۔ ریت کے یہ ٹیلے حبلِ مشاۃ کہلاتے ہیں، یہ ٹیلے پیدل چلنے والوں کے راستے میں واقع ہیں۔ آپ نے اسی حالت میں وقوف فرمایا، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ پہلے زردی ختم ہوئی، پھر سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی۔ اب آپ نے اپنے پیچھے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مزدلفہ پہنچے۔ یہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی دو نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔ درمیان میں آپ نے کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ وہاں طلوعِ فجر تک لیٹے رہے۔

پھر حج کے باقی ارکان انجام دینے کے بعد آپ 13 ذی الحجہ کو اونٹنی پر سوار ہوئے اور خانہ کعبہ تشریف لائے، طوافِ وداع کیا، فجر کی نماز پڑھی، پھر مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کا رخ فرمایا۔ جب مدینہ منورہ کے آثار نظر آئے تو آپ نے تین بار اللہ اکبر کہا اور فرمایا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آئِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم پلٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت گزار' سجدہ کرنے والے' اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا' اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ساری جماعتوں کو شکست دی۔''

آخری لشکر

رومیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت مشکلات کا سامنا تھا۔ ان کے ہاں کا کوئی شخص اگر مسلمان ہو جاتا تو اس کی جان پر بن جاتی۔ وہ اسے بے تحاشا ستاتے، ان کے اس فخر اور غرور کو توڑنے کے لیے نبیٔ اکرم ﷺ نے صفر 11 ہجری میں ایک بڑے لشکر کی تیاری کا حکم فرمایا۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اس لشکر کے ذریعے سے روم کی فلسطینی سرزمین کو روند کر رومیوں کو خوف زدہ کر دیا جائے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ان حدود میں رہنے والے عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے، چنانچہ آپ نے سات سو فوجیوں کا ایک لشکر تیار کرایا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کا سالار مقرر فرمایا۔ یہ آپ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے۔ آپ نے 28 صفر کو اس لشکر کے ساتھ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ روانہ کرتے وقت آپ نے اپنے دستِ مبارک سے جھنڈا درست فرمایا اور اسے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں دیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ شامل تھے لیکن فوج کی قیادت آپ نے نوجوان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سونپی تھی۔ جلیل القدر صحابہ میں سے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے کیونکہ آپ بیمار تھے اور انھیں تیمار داری کی خاطر رکنا پڑا تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اجازت لے کر آپ کی عیادت کے لیے آجاتے اور واپس لشکر میں چلے جاتے۔

ادھر آپ کی علالت روز بروز بڑھ رہی تھی۔

لشکر نے مدینہ سے باہر صرف تین میل دور مقام جرف پر پڑاؤ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے آپ کے بارے میں برابر پریشان کن خبریں موصول ہورہی تھیں، اس لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے وہیں رک کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں تک کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اس طرح لشکر کو واپس آنا پڑا۔ اس لشکر کو پھر مسلمانوں کے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا۔

اختتامِ سفر

دینِ اسلام کی تکمیل کی آیات کے نزول سے سمجھنے والے سمجھ گئے تھے کہ اب آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی'' کا نزول بھی اسی طرف اشارہ تھا۔ جب آپ نے رسالت کا فریضہ مکمل کر لیا، امت کی خیر خواہی کے سبھی اقدام اٹھا چکے تو آپ کی باتوں سے اور افعال سے یہ بات ظاہر ہونے لگی تھی کہ اب آپ کی رخصتی نزدیک ہے۔ ہجرت کے دسویں سال آپ نے رمضان المبارک میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا، جبریل علیہ السلام دو مرتبہ آئے اور آپ کو قرآن کا دور کرایا۔ ایک روز آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ اب میرا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔''

جب آپ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کرنے لگے تو انھیں وصیت کرنے کے بعد فرمایا:

''اے معاذ! شاید آئندہ میری تم سے ملاقات نہ ہو اور تم میری اس مسجد اور قبر کے پاس سے گزرو۔''

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔ حجۃ الوداع کے موقعے پر بھی آپ نے فرمایا تھا:

''شاید میں تم سے اس سال کے بعد نہ مل سکوں۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

"غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہیں کر سکوں گا۔"

یہ سب باتیں ظاہر کر رہی تھیں کہ دنیا میں آپ کے ذمے جو کام لگایا گیا تھا، آپ اس کو پورا کر چکے ہیں۔ حج کے موقعے پر آپ نے لوگوں کو الوداع بھی کہا تھا۔

ماہ صفر 11 ہجری کے شروع میں آپ احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں شہداء کے حق میں اس طرح دعا کی جیسا کہ زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہوں، پھر واپس آ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

"میں تمھارا پیش رو ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا حاصل کرنے میں لگ جاؤ گے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو گے۔"

صفر کے آخر میں آپ ایک رات "بقیع غرقد" تشریف لے گئے۔ اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے، پھر فرمایا:

"ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔"

ماہِ صفر کے آخری دوشنبہ کو آپ نے بقیع میں ایک جنازے میں بھی شرکت کی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جب آپ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا۔ اس درد کی وجہ سے میرے منہ سے نکل گیا: ہائے میرا سر۔"

اس پر آپ نے فرمایا:

"بلکہ میں واللہ! اے عائشہ! ہائے میرا سر۔"

یہ سر درد آپ کی بیماری کا آغاز تھا۔ اس تکلیف کے باوجود آپ باری باری سب ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے رہے۔ دن ان کے پاس گزارتے، یہاں تک کہ تکلیف بڑھ گئی۔ اس وقت آپ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے۔ اس حالت میں آپ نے پوچھا:

''کل میں کہاں ہوں گا؟''

یہ فرمانے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہنے دیا جائے، چنانچہ سب ازواج مطہرات نے خوشی سے آپ سے کہہ دیا:

''جہاں آپ چاہیں رہیں۔''

آپ سیدنا فضل بن عباس اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے درمیان ان کا سہارا لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آ گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب آپ میرے گھر آ گئے اور بیماری نے شدت اختیار کی تو فرمایا:

''مجھ پر پانی کے سات مشکیزے ڈالو جن کا بندھن نہ کھولا گیا ہو، میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو وصیت کروں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم نے آپ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لگن (ٹب) میں بٹھایا، پھر مشکیزوں سے آپ پر پانی ڈالا، یہاں تک کہ آپ نے اشارے سے فرمایا:

''بس کرو، تم نے اپنا کام مکمل کر لیا۔''

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے، لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔

''لوگو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمھیں ایسا کرنے سے روکتا ہوں۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت! انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کریں۔'' اس کے بعد آپ نے خود کو قصاص، یعنی بدلہ لینے کے لیے پیش کیا اور فرمایا:

''اگر مجھ سے کسی کو کوئی بدلہ لینا ہے تو میں حاضر ہوں۔''

پھر آپ نے انصار کے بارے میں فرمایا کہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ آخر میں اپنے بارے میں فرمایا:

''ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کو اختیار کر لے یا اللہ کے پاس جو ہے، اسے لے لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو ہے، اس کو اختیار کیا ہے۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور بولے: ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔''

اس پر ہمیں بہت حیرت ہوئی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو کیوں رہے ہیں لیکن چند دن بعد ہمیں معلوم ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس جملے کا مطلب اسی وقت سمجھ گئے تھے۔ اس بندے سے نبیٔ کریم ﷺ کی مراد خود آپ کی اپنی ذات تھی اور ہم نے یہ بات بھی جان لی کہ ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم ہیں۔''

اختتامِ سفر

اس کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کے دروازے کے سوا، مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔ یہ بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت تھی۔ آپ نے ان کی تعریف بھی کی۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے بارے میں آپ نے وصیت فرمائی کہ انھیں جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے، جو وفد آئیں، ان کا اکرام کیا جائے، انھیں نوازا جائے۔ غلاموں اور لونڈیوں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی اور فرمایا:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: "اللہ کی کتاب اور میری سنت۔"

نبیٔ کریم ﷺ مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھاتے رہے تھے لیکن اس دن جمعرات کو عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے غسل فرمایا کہ مرض میں کمی واقع ہو جائے۔ غسل کر کے اٹھے مگر پھر غشی کی حالت طاری ہو گئی، کچھ افاقہ محسوس کیا تو آپ نے پھر غسل فرمایا لیکن اس مرتبہ بھی جب اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ پھر طبیعت سنبھلنے پر تیسری بار غسل فرمایا، اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ آخر آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس طرح اس وقت کے بعد آپ کی زندگی مبارک کے باقی ایام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ ہفتے یا اتوار کے دن آپ نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو دو صحابہ کے درمیان سہارے سے چلتے مسجد میں تشریف لائے۔

اختتامِ سفر

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے آپ کے پائے مبارک کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے انھیں اشارے سے روکا پھر ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اس نماز کی صورت یوں تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی مسلمان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے۔

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن

بارہ ربیع الاول پیر کے دن، صبح فجر کے وقت نبی کریم ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ ہٹا کر مسجد کی طرف دیکھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ خوش ہوئے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مسلسل بیماری کی وجہ سے کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی، چنانچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سہارا لے کر لیٹ گئے۔

اسی روز (یا اسی ہفتے) آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔ ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ آپ نے دوبارہ سرگوشی کی تو ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی گئی تو چھپا گئیں لیکن جب آپ کی وفات کے بعد پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ پہلی مرتبہ آپ نے ان کے کان میں فرمایا تھا کہ آپ اپنے اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ یہ سن کر وہ رو پڑیں، پھر آپ نے دوسری بار فرمایا تھا کہ آپ کے اہل و عیال میں سب سے پہلے وہی آپ سے ملیں گی، یہ سن کر وہ ہنسنے لگی تھیں۔ آپ نے انھیں یہ بشارت بھی دی کہ آپ تمام عالم کی خواتین کی سردار ہیں۔

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا برداشت نہ کر سکیں اور بول اٹھیں:

"ہائے میرے والد کی بے چینی۔"

آپ نے ان کا جملہ سنا تو فرمایا:

''تمھارا باپ آج کے بعد بے چین نہیں ہوگا۔''

پھر آپ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انھیں پیار کیا۔ ازواجِ مطہرات کو بلا کر انھیں نصیحتیں فرمائیں۔

تکلیف تھی کہ لحہ بہ لحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ خیبر میں آپ کو جو زہر کھلایا گیا تھا، اس وقت اس کا اثر بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ آپ نے اپنے چہرے پر ایک چادر ڈال لی تھی۔ سانس پھولنے لگتا تو چادر ہٹا دیتے۔ اس حالت میں جب کہ تکلیف عروج پر تھی، آپ نے فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

یہ فرمانے سے آپ کا مقصد امت سے یہ کہنا تھا کہ تم ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے کئی بار فرمایا:

«اَلصَّلَاةَ، اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''نماز، نماز اور تمھارے زیرِ دست لونڈی اور غلام۔''

اس وصیت کے کچھ ہی دیر بعد آپ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنے سینے اور گلے کے درمیان سہارا دے کر اونچا کرلیا۔ ایسے میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں کھجور کی تازہ شاخ تھی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے ہاں فرما دیا۔ چنانچہ انھوں نے مسواک اپنے

بھائی سے لی۔ اس کو دانتوں سے چبا کر نرم کیا، پھر آپ کو دی۔ آپ نے اچھی طرح مسواک کی، آپ کے نزدیک ہی برتن میں پانی تھا۔ آپ پانی میں ہاتھ ڈال کر گیلا ہاتھ چہرے پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، موت کے لیے سختیاں ہیں۔''

پھر آپ نے دونوں ہاتھ یا انگلی اوپر اٹھائی۔ نگاہ چھت کی طرف کی۔ دونوں ہونٹوں کو کچھ حرکت ہوئی۔ گویا آپ کچھ فرما رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان نزدیک کیا تو سنائی دیا، آپ فرما رہے تھے:

''اُن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنھیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ۔''

آخری فقرہ تین بار دہرایا، اس کے ساتھ ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

یہ پیر کا دن تھا۔ ربیع الاول کی 12 تاریخ تھی اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت تریسٹھ سال تھی۔

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ»

آپ کی وفات کی خبر روح فرسا تھی، ہوش و حواس مختل کر دینے والی تھی، جونھی صحابۂ کرام نے یہ خبر سنی، دنیا ان کے لیے بالکل تاریک ہو گئی، قریب تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو دیں کیونکہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تھے، وہ دن

دنیا کا روشن ترین دن تھا اور یہ دن دنیا کا تاریک ترین دن تھا۔ صحابہ کے آنسو جاری ہوگئے اور ان آنسوؤں نے رکنے کا نام نہ لیا۔ ایسے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد کے صحن میں کھڑے تھے اور بلند آواز میں فرما رہے تھے:

''لوگو سن لو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کر دے۔''

اس کے ساتھ وہ فرما رہے تھے:

''خبردار! کوئی یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں، ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی روز صبح سویرے انھوں نے آپ کی طبیعت سنبھلی ہوئی محسوس کی تو اپنے گھر والوں کی خبر لینے موضع ''سُنخ'' چلے گئے۔ یہاں آپ کا مکان تھا اور یہ جگہ مدینہ منورہ سے چند میل دور تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو گھوڑے پر بیٹھ کر مسجدِ نبوی تک پہنچے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کوئی بات نہ کی اور سیدھے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوئے۔ آپ کا جسمِ مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھانپا ہوا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی۔ آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، روئے اور پھر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا، جو موت آپ کا مقدر تھی، وہ آپ کو آ چکی ہے۔''

اس کے بعد آپ باہر تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح اپنے الفاظ کہے جارہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: ”عمر! بیٹھ جاؤ۔“

وہ نہ بیٹھے تو آپ نے انھیں ان کے حال پر چھوڑا اور خود منبر پر تشریف لائے، آپ منبر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ صحابۂ کرام بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر آپ کے نزدیک آ گئے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہوئے:

«أَمَّا بَعْدُ : مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، قَالَ اللهُ تَعَالٰى : »

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

” امابعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا، تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے: ”محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑی کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑی کے بل پلٹ جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔“ (آل عمران 144:3)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! لوگوں نے یوں محسوس کیا جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہے اور اس سے پہلے لوگ جیسے اس آیت کے بارے میں جانتے ہی نہیں تھے، پھر تو حالت یہ ہوئی کہ سبھی اس آیت کو دہرانے لگے۔''

خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے، کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! میں نے جونہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا، میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے، پس میرے بدن سے جان سی نکل گئی۔ ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت نہ رہ گئی اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا۔ اس وقت میں نے جانا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی وفات پا چکے ہیں۔''

گویا اس آیت کو سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھلیں۔ وہ ہوش وحواس میں آ گئے۔ سب کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔ ہر صحابی اس آیت کا ذکر کرتا نظر آ رہا تھا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا کام منگل کو شروع ہوا۔ آپ کو غسل سیدنا فضل بن عباس، علی المرتضیٰ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے دیا۔ اس موقعے پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں وفات پائی تھی، اسی حجرے میں آپ کو دفن کیا گیا۔

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ - اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ»
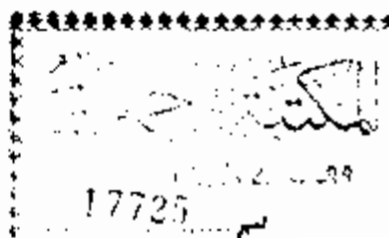
رہبر و رہنما

صلی اللہ علیہ وسلم

آئیڈیل کی تلاش، ہر دور میں ایک خواب بھی رہا ہے اور سراب بھی۔ مال و دولت کے انبار جمع کرنے والوں کا آئیڈیل دنیا کا امیر ترین شخص ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اس کے طور طریقے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

علم کے خزانے جمع کرنے والوں کے لیے آئیڈیل شخصیت وہ ہے جو لامتناہی علوم کے بحرِ ذخار کا حامل ہو۔ اہلِ علم اسی کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں۔

دنیا کے ہر فرد نے اپنے دل و دماغ میں اپنی وسعتِ نظر کے مطابق کوئی نہ کوئی آئیڈیل ضرور سجا رکھا ہے۔ معاشرے کے تمام طبقات کے مقابلے میں نوجوان آئیڈیل ازم کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ ان کے آئیڈیل صبح و شام بنتے اور بگڑتے ہیں۔

سیمابی صفات کے حامل ان نوجوانوں کے لیے اگر کوئی آئیڈیل ہو سکتا ہے تو وہ ''رہبر و رہنما'' کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اگر نوجوان ''رہبر و رہنما'' کو اپنا آئیڈیل بنا لیں تو وہ پوری دُنیا کو مسخر کر سکتے ہیں۔

ISBN: 9960-9956-7-4
9 789960 995670
Book No. 71